تدبرقرآن

(انگلش)

مولانا امین احسن اصلاحی ★ ترجمہ سلیم کیانی

سلیم کیانی کے سلیس اور شگفتہ قلم سے تدبر قرآن جلد اول کا ترجمہ۔

یہ جلد سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ پر مشتمل ہے۔ صفحات 693، ہدیہ Rs.650/-

البلاغ پبلی کیشنز N-1، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

Phone: 011-26942592, E-mail: abpublications@gmail.com

"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (قرآن)

سہ روزہ دعوت

نئی دہلی

"اے اللہ میں آپ سے اس علم کی پناہ مانگتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو۔" (مسلم)

OMEGA SUPER HARDWARE

Complete range of Latest fittings for Doors & Windows, Bath Rooms and Furnitures, Glass Furnitures

AD 5/2, 2nd AVENUE, ANNA NAGAR, CHENNAI- 40.
Phones: 2620 2016,4269 0216

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۲۹ ● ۲۸ / مارچ ۲۰۰۹ء ● 28March 2009 ● شنبہ ● یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ ● قیمت =/Rs.5 ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۳ / ریال ● Posting: 26 March 2009 Thursday

سیاست کو ہر طرح کی آلودگی سے دور رکھنے کیلئے پہل ہونی چاہئے

سیاسی صف بندی اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششوں کے درمیان سیاسی پارٹیاں خود کی شبیہ کو بہتر انداز سے پیش کرنے اور دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کی پرزور کوششوں میں مصروف ہیں۔ انتخابات کی تاریخیں قریب آرہی ہیں لیکن ماضی کے بالمقابل اب تک عوام کے رجحانات واضح نہیں ہوسکے ہیں۔ یہ شاید اس کہ وقت کے ساتھ ساتھ اور برقیاتی نظام کے زیر اثر گو زیادہ نہیں لیکن سیاسی بیداری میں اضافہ ضرور ہوا ہے۔ اب نہ جھوٹے وعدے انہیں لبھا رہے ہیں اور نہ ہی جذباتی نعرے بازی جادوئی اثر دکھانے میں کامیاب ہو رہی ہے۔

انہیں وجوہات کے زیر اثر اس وقت ہر پارٹی اپنی شبیہ کو بہتر سے بہتر انداز سے پیش کرنے میں مصروف ہے۔ بی جے پی رام مندر کے مسئلے پر پریشان ہے اور اس معاملے کو وہ کچھ اور ہی رخ دینا چاہتی ہے۔ پارٹی کے نائب صدر مختار عباس نقوی کا کہنا ہے کہ بی جے پی کوئی تعمیراتی کمپنی نہیں ہے جو مندر، مسجد، گرجا گھر اور گردوارے بناتی پھرے۔ حالانکہ یہ وہی پارٹی ہے جو رات و دن اس بات کا اعلان کرتی تھی کہ رام مندر کی تعمیر اس کے بنیادی مقصد میں شامل ہے اور اس کا اس کے عقیدے سے تعلق ہے۔ پارٹی کے لیڈران برملا اس کا اظہار کرتے تھے کہ اگر انہیں اقتدار حاصل ہوا تو وہ مندر کی تعمیر کے تعلق سے ایک نیا قانون بنائیں گے۔ اب جبکہ ورون گاندھی سمیت اس کا کوئی بھی تیر نشانے پر نہیں لگ رہا ہے تو وہ نئے طرز کی سیاست کی طرف قدم بڑھا رہی ہے۔ اوما بھارتی نے بھی نئے تیور بدلے ہیں۔ لال کرشن آڈوانی جو کچھ دنوں پہلے تک اوما بھارتی کے لئے ناپسندیدہ شخصیات کی فہرست میں صف اول میں تھے اب ان میں انہیں خوبیاں نظر آنے لگی ہیں اور وزارت عظمیٰ تک پہنچانے کے لئے وہ اپنی مکمل حمایت کا اعلان کر رہی ہیں۔

کلیان سنگھ کے دامن کے داغوں کو دھونے کی ذمہ داری سماج وادی پارٹی نے لے رکھی ہے اور امر سنگھ ان کی صفائی میں ہر طرح کی کوڑی لا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ فرقہ پرستی کے زہر اور بی جے پی کو اقتدار سے روکنے کے لئے ان کی پارٹی نے کلیان سنگھ سے دوستی کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اترپردیش کے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے کلیان سنگھ کے دور اقتدار میں بابری مسجد کا صرف دس فیصد حصہ ہی شہید ہوا تھا جبکہ باقی حصہ ریاست میں صدر راج کے نفاذ کے بعد منہدم ہوا۔ اور اس وقت مرکز میں کانگریس کی حکومت تھی۔ صرف مذکورہ دونوں پارٹیاں ہی نہیں بلکہ سبھی پارٹیاں اپنے اپنے طور پر سیاسی بساط بچھانے میں مصروف ہے اور خود کی شبیہ کو بہتر اور دوسروں کو بدتر شکل میں پیش کر رہی ہیں۔ بہتر حکومت کی تشکیل، صاف وشفاف نظام اور اچھے سماج کی تعمیر کو یقینی بنانے کی یقین دہانی کر رہی ہیں لیکن کیا فی الواقع ایسا ممکن ہوسکے گا؟

انتخابی پالیسیوں کے بجائے اگر امیدواروں کے ناموں کے اعلان اور ان امیدواروں کی ماضی کی کارکردگی پر نظر ڈالیں تو یہ ممکن نظر نہیں آتا اور سیاسی پارٹیوں کے تمام تر دعوے غلط ثابت ہوتے ہیں۔ وہ اس لئے کہ جرائم کے خاتمے کے دعوؤں کے باوجود مجرمانہ شبیہ کے حامل امیدواروں کے تعلق سے کوئی بھی پارٹی پیچھے نہیں ہے بی جے پی نے تا دم تحریر ۳۷۸ امیدواروں کے ناموں کا اعلان کیا ہے جن میں سے ۱۱۶ امیدواروں نے حلف نامے داخل کردیئے ہیں ان میں سے ۲۸ داغدار امیدوار ہیں۔ کانگریس کے ۶۲ امیدواروں نے حلف نامہ داخل کیا ہے ان میں سے دس امیدوار داغدار ہیں۔ بہوجن سماج پارٹی نے سولہ داغی امیدوار میدان میں اتارے ہیں جبکہ سماجوادی پارٹی نے چھ، مارکسی کمیونسٹ پارٹی نے دو اور ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی نے ایک ایسا امیدوار میدان میں اتارا ہے جس کا جرائم کی دنیا سے تعلق ہے۔ مختلف سیاسی پارٹیوں کی طرف سے مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے کل تریسٹھ امیدوار میدان میں اتارے گئے ہیں۔ ان میں سے اتنالیس پر قتل، اقدام قتل، ڈاکہ زنی، چوری اور اغوا جیسے سنگین نوعیت کے الزامات ہیں۔ ایک طرف بہتر حکومت اور صاف ستھرے سماج کا وعدہ تو دوسری طرف جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی اور سیاست میں انہیں مواقع فراہم کرنا کیا نظام کی شفافیت کا ضامن ہوسکتا ہے۔

ورون گاندھی کے سلسلے میں الیکشن کمیشن کے مشورے کو ٹھکرا کر بھارتیہ جنتا پارٹی نے یہ ثابت کردیا ہے کہ سیاست کو ہر قسم کی آلودگی سے دور رکھنے کے تئیں وہ کتنی سنجیدہ ہے۔ اس کی یہ دلیل کہ دوسری پارٹیوں نے بھی تو ایسے امیدوار کھڑے کئے ہیں لہٰذا وہ بھی ایسا کرنے میں حق بجانب ہے ملک کے سامنے آچکی ہے۔ اب رائے دہندگان ہی اس کا فیصلہ کریں گے کہ اس میں کتنا وزن ہے۔ ویسے اس کا یہ اعتراض بجا معلوم ہوتا ہے کہ اگر الیکشن کمیشن واقعی سیاست کو ہر طرح کی غلاظت سے دور رکھنا چاہتا ہے تو اسے کسی ایک پارٹی کو نشانہ بنانے کی بجائے جہاں بھی گندگی موجود ہو اس پر انگلی رکھنی چاہئے اور اس معاملے میں رورعایت سے بالکل کام نہیں لینا چاہئے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو الیکشن کمیشن کی نیک نیتی پر شبہ کیا جائے گا اور اس کی قابل ستائش کوشش پر بھی کوئی اور رنگ چڑھ جائے گا اور اس کی بظاہر اچھی کوشش بھی بے سود ہی ثابت ہوگی۔ بلکہ اس کا الٹا اثر ظاہر ہوگا۔ اس کا مثبت اثر قبول کرنے کی بجائے سماج کے اندر ایک قسم کی ہیجانی کیفیت پیدا ہوگی۔ (ع ک)

بنیادی مسائل فوری توجہ کے طالب ہیں

پانی کی قلت ایک عالمی مسئلہ ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ سنگین صورت اختیار کرتا چلا جارہا ہے۔ نہ صرف یہ کہ پانی کی دستیابی کی سطح نیچے گرتی چلی جارہی ہے بلکہ پینے کے لئے صاف پانی کی دستیابی کی سطح بھی گرتی جارہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں پانی کی آلودگی کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پانی جتنی مقدار میں اس وقت موجود ہے وہ سارا کا سارا صاف پانی نہیں ہے یعنی وہ کل کا کل پینے کے لائق نہیں ہے بلکہ دستیاب پانی کی بھی ایک مخصوص مقدار ہی پینے کے قابل رہ گئی ہے۔ اس وقت مسئلہ جہاں پانی کی قلت کا ہے وہیں اس کی بربادی کا بھی ہے۔ انسان کو جہاں قحط سالی اور خشک سالی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہیں سیلاب کی مصیبت بھی جھیلنی پڑ رہی ہے اور دونوں صورتوں میں پانی کی قلت ہو رہی ہے یعنی دونوں حالتوں میں پینے کے لئے صاف پانی دستیاب نہیں ہوتا۔ یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور ہی محال ہے۔ اس لحاظ سے اس پر ہر کسی کا یکساں حق ہونا چاہئے اور ہر کسی کو یہ بلا روک ٹوک حاصل ہونا چاہئے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ریاست کو اس کا انتظام کرنا چاہئے کہ ہر فرد کو پانی اس کی ضرورت کے مطابق ملے، آسانی سے اور ہر وقت اس کی دستیابی کو یقینی بنانا حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ یہ اس کی اولین ترجیح ہونی چاہئے اور ہر قیمت پر اس کی فراہمی کو یقینی اور آسان بنانا اس کے بنیادی اور اہم کاموں میں شامل ہونا چاہئے۔ اسی طرح سیاسی جماعتوں کو بھی اس کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ پانی کی سطح مسلسل گرتی چلی جارہی ہے اور یہ کسی ایک ملک کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ پورے عالم کی حالت یہی ہے۔ تھوڑے تھوڑے سے فرق کے ساتھ ہر ملک اس وقت اس پریشانی میں مبتلا ہے۔ ظاہر ہے ترقی پذیر اور کمزور ممالک میں پانی کی قلت زیادہ سنگین صورت اختیار کرگئی ہے اور اس کی سنگینی میں برابر اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ پانی کی اس قلت نے انسانی زندگی کو بری طرح متاثر کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہر ملک اس کو اہمیت دے رہا ہے۔ اقوام متحدہ کو بھی موجودہ صورتحال پر حد درجہ تشویش ہے۔ وہ بھی اس کے لئے کوشاں ہے کہ پانی کی قلت کا جو مسئلہ پیدا ہوگیا ہے اس پر قابو پایا جائے۔ اس کی کو دور کیا جائے۔ لہٰذا اس نے اس سلسلے میں عام بیداری کے بھی پروگرام بنائے ہیں اور اس کی حالت کو جاننے اور دنیا کو اس کی طرف متوجہ کرنے کی پالیسی بھی ترتیب دی ہے۔ لہٰذا ہر سال مارچ کی ۲۲ تاریخ کو عالمی یوم آب منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر جہاں موجودہ حالت سے دنیا کو باخبر کیا جاتا ہے اور حالات کی سنگینی سے آگاہ کیا جاتا ہے وہیں احتیاطی تدابیر بھی بتائی جاتی ہیں تاکہ ان پر عمل کرکے پریشانی کو کم کیا جاسکے۔ وہیں دوسری طرف عام شعور بیدار کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے کہ لوگ اس کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کی قدر جانیں۔ حکومتوں کو بھی اس موقع پر متوجہ کیا جاتا ہے کہ وہ کس طرح پانی کی قلت جیسے سنگین مسئلے پر قابو پاسکتی ہیں اور انہیں اس سلسلے میں کیا کیا قدم اٹھانے چاہئیں۔ عالمی ادارہ وقتاً فوقتاً اس سلسلے میں جائزے بھی کراتا ہے اور اس کی رپورٹیں بھی شائع کرتا ہے تاکہ دنیا کو معلوم ہوسکے کہ حقیقی صورتحال کیا ہے۔

اقوام متحدہ کے ایک اندازے کے مطابق اس وقت صورتحال یہ ہے کہ اس وقت ایسے لوگوں کی تعداد ۸۰ کروڑ سے بھی زیادہ ہے جن کو صاف پانی دستیاب نہیں ہے۔ اور ڈھائی ارب سے بھی زیادہ آبادی صحت وصفائی کے معقول انتظام سے محروم ہے کیونکہ اس کو وافر مقدار میں پانی دستیاب نہیں ہے۔ اسے پانی کی قلت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس بار بھی یوم آب کے عالمی دن کے موقع پر عالمی ادارے نے ایک پروگرام ترتیب دیا تھا، جس میں ایک ہفتے تک اس عالمی بحران کے مختلف پہلوؤں کا بھرپور جائزہ لیا گیا۔ اس میں دنیا بھر کے سو سے زیادہ ملکوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ انھوں نے ایک بار پھر اس کا تہیہ کیا کہ اس مسئلے پر فوراً توجہ دی جائے گی اور پینے کے لئے صاف پانی کی دستیابی کو آسان اور یقینی بنایا جائے گا۔ ہمارا ملک بھی اس مسئلے سے دوچار ہے یہاں بھی پانی کی قلت ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے بلکہ بعض صوبوں کے درمیان تصادم ونزاع کا سبب بھی ہے۔ پانی کی تقسیم کے سوال پر بڑے جھگڑے ہوچکے ہیں۔ بعض نزاعات تو اتنے پرانے ہیں کہ ان کا حل ہونا مشکل ہوگیا ہے۔ عالمی ادارے کے مذکورہ اجلاس میں یہ مسئلہ بھی زیر غور آیا اور آبی تقسیم کے سوال پر نزاعات کو دور کرنے پر زور دیا گیا۔ ملک میں عام انتخابات قریب آگئے ہیں۔ سیاسی پارٹیاں اور اتحاد اپنے اپنے منشور کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ عام لوگوں کو اور پریشر گروپوں کو سیاسی پارٹیوں کو اس جانب بھی متوجہ کرنا چاہئے کہ انہیں اپنے منشور میں پانی کی قلت اور اس طرح کے دوسرے مسائل کو حل کرنے پر توجہ دینی چاہئے اور اپنے منشور میں ان کو بھی جگہ دینی چاہئے اس لئے کہ یہ بنیادی مسائل ہیں اور رائے دہندگان کو ان سے یہ پوچھنا چاہئے کہ وہ اس سلسلے میں کیا پروگرام رکھتی ہیں۔ غیر سرکاری تنظیموں کو بھی اس سلسلے میں نہ صرف اپنے طور پر پروگرام بنانے چاہئیں بلکہ سیاسی پارٹیوں کو اس پر مجبور کرنا چاہئے کہ وہ اپنے انتخابی ایجنڈے میں اس کو شامل کریں۔ ●●

بلاتبصرہ

سنگھ پریوار اپنی پرانی روش پر لوٹ رہا ہے۔ گاندھی جی کے قتل کے بعد اس نے ناتھو رام گوڈسے سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا تھا۔ اسی طرح ۶ دسمبر کو بابری مسجد کے انہدام کو ایل کے آڈوانی نے اپنی زندگی کا المناک ترین دن قرار دیا تھا۔ اب بی جے پی (مسلمانوں کے خلاف) ورن گاندھی کی اشتعال انگیزی کے بعد اس سے لاتعلقی کا اظہار کر رہی ہے لیکن (اس کے باوجود) پیلی بھیت کی لوک سبھا سیٹ کے لیے ورن گاندھی کی حیثیت بطور بی جے پی امیدوار اب بھی برقرار ہے۔

بائیکڈی سوریہ نارائن، بنگلور

ہندو، ۲۳ / مارچ ۲۰۰۹ء

اور اب کھیل کود کو بھی سیاسی اکھاڑہ بنا دیا گیا

انڈین پریمئر لیگ کے دوسرے ایڈیشن کا انعقاد اب ہندوستان میں نہیں ہوگا۔ اس بار اس کے تمام میچ ہندوستان سے باہر کھیلے جائیں گے، تا دم تحریر اس کا فیصلہ نہیں ہوسکا ہے کہ یہ میچ کس ملک میں کھیلے جائیں گے تاہم برطانیہ اور جنوبی افریقہ کا نام لیا جارہا ہے اور قوی امید یہ ہے کہ اس کے لئے جنوبی افریقہ کا انتخاب کیا جائے گا۔ اب اس کو بھی سیاسی کھیل کا عنوان بنا لیا گیا ہے۔ یوں تو اول روز سے ہی ہندوستان میں اس کے انعقاد کے سلسلے میں شکوک وشبہات پائے جارہے تھے پھر بھی آئی پی ایل کے منتظمین نے اس کا اعلان کیا تھا کہ نہ اس کی تاریخوں میں کوئی بڑی تبدیلی کی جائے گی اور نہ جگہ کے سلسلے میں فیصلے پر نظرثانی کرنے کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں آرہی ہے۔ حالانکہ حکومت کی جانب سے تردد کا اظہار کیا جارہا تھا اور یہ کہا جارہا تھا کہ عام الیکشن کے اعلان کے بعد اس کا انعقاد قابل عمل نظر نہیں آرہا ہے۔ سیکورٹی کے نقطۂ نظر سے دونوں واقعات کا ساتھ ساتھ ہونا حکومت کے لئے پریشانی کا موجب بن رہا تھا۔ لیکن دوسری طرف آئی پی ایل کے منتظمین اس پر مصر تھے کہ مختصر کرکٹ کے یہ مقابلے ہندوستان میں ہی کرائے جائیں اور مقررہ وقت پر کرائے جائیں۔ تاریخوں میں کوئی بڑی تبدیلی نہ کی جائے۔ اس پر حکومت نے یہ کہا کہ جن تاریخوں میں ووٹ ڈالے جائیں گے ان میں کرکٹ کے میچ نہ ہوں۔ کیونکہ دونوں کے لئے بیک وقت تحفظ فراہم کرنا اور معقول حفاظتی انتظامات کرنا ممکن نہیں ہے۔ آئی پی ایل کے منتظمین نے حکومت کے عذر کو معقول گردانتے ہوئے اس کی یہ بات مان لی اور یہ اعلان کیا کہ جن تاریخوں میں ووٹ ڈالے جائیں گے ان تاریخوں میں کوئی میچ نہیں رکھا جائے گا۔ تاہم ایسا لگتا ہے کہ حکومت نے ایک بار پھر حالات کا جائزہ لیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ دونوں کا ایک ساتھ ہونا کسی بھی پہلو سے مناسب نہیں ہے اور خطرے سے خالی نہیں ہے لہٰذا اس نے اس کی اجازت دینے سے انکار کردیا۔

اس پر سیاسی اور غیر سیاسی ہر دو حلقوں میں لے دے شروع ہوگئی۔ ایک طرف بھارتیہ جنتا پارٹی نے مناسب جانا کہ حکومت کو آڑے ہاتھوں لینے کا یہ اچھا موقع ہے، لہٰذا اس نے حکومت کو اس کا طعنہ دینا شروع کردیا کہ اس نے پست ہمتی کا مظاہرہ کیا اور ہندوستان میں آئی پی ایل کے دوسرے ایڈیشن کے میچوں کے انعقاد کا موقع نہ دے کر دنیا کو یہ بتا دیا کہ وہ ڈر گئی ہے۔ اور یہ ملک کے لئے بڑی شرمندگی کی بات ہے۔ اس معاملے میں گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی پیش پیش تھے، بعد ازاں کرکٹ کنٹرول بورڈ بھی میدان میں کود گیا اور اس نے بھی حکومت ہند کے فیصلے پر اپنی ناراضگی کا اظہار کردیا۔ بھلا حکومت کیسے پیچھے رہ سکتی تھی۔ اس کو ان الزامات کا جواب بھی دینا تھا اور مخالفین کی تنقیدوں کی وجہ سے اس کی جو بدنامی ہو رہی تھی اور ساکھ مجروح ہو رہی تھی اس کو دور بھی کرنا تھا اور دوسری طرف مخالفین پر بازی بھی مارنی تھی لہٰذا مرکزی وزیر داخلہ پی چدمبرم نے جواباً یہ عرض کیا کہ کرکٹ میچ کا ہندوستان میں نہ ہونا کوئی ایسی شرم کی بات نہیں ہے بلکہ فی الواقع تو شرم کی بات گجرات میں فرقہ وارانہ فسادات کا ہونا تھا۔ انھوں نے کہا کہ اس مسئلے کا تعلق خالص سیکورٹی سے ہے لہٰذا اس کو سیاست میں نہ گھسیٹا جائے اور ان کی اس بات میں وزن بھی ہے۔ الیکشن کا انعقاد ویسے ہی ایک بڑا حساس مسئلہ ہوتا ہے۔ اس دوران تشدد کے واقعات بھی رونما ہوتے رہے ہیں اور بعض صوبوں کے حالات ویسے بھی نازک ہیں۔ پھر پڑوسی ملک میں سری لنکا کے کھلاڑیوں پر ہونے والے حملوں نے اس معاملے کو اور بھی نازک اور حساس بنا دیا ہے۔ اس لئے خطرہ مول لینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ خود گجرات کے اعلیٰ پولیس افسران کا یہ کہنا ہے کہ سیکورٹی کے نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ بہت سنگین ہے۔ اور دونوں کے لئے معقول سیکورٹی فراہم کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔ اس لئے اس مسئلے کو سیاست میں گھسیٹنا کسی طرح سے بھی مناسب نہیں ہے۔ ●●

خبر ونظر

میڈیا کا یہ پیغام

پیلی بھیت سے شروع ہونے والی شرارت کا نتیجہ کچھ بھی ہو، اس سے انڈین میڈیا کا یہ پیغام لوگوں تک اچھی طرح پہنچ چکا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چوراہے پر کھڑے ہوکر کسی فرقے، کسی ذات برادری یا کسی لسانی اکائی کو چیخ چیخ کر فحش گالیاں بک دے تو وہ راتوں رات ہیرو بن سکتا ہے۔ میڈیا اس خدمت کے لیے ہر وقت تیار ہے۔ اگر کسی کو اس میں شبہ ہو تو مارچ کے تیسرے ہفتے کے انگریزی، ہندی اخبارات دیکھ لے، چینلوں کی رپورٹنگ یاد کرلے، ہر اخبار میں اور ہر چینل پر صرف وہ لڑکا دکھائی دے گا جس نے پیلی بھیت میں لوگوں کی بھیڑ جمع کرکے مسلمانوں کو مغلظ گالیاں دی تھیں ——— بہت سے نوجوان لیڈر اس کی قسمت پر رشک کر رہے ہوں گے، سچن پائلیٹ، اکھلیش یادو، راہل گاندھی، جیوتر آدتیہ سندھیا اور ملند دیورا خاص طور سے سوچ رہے ہوں گے کہ "ہم اس کم عمری میں پارلیمنٹ کے اندر تو پہنچ گئے لیکن میڈیا نے وہ پذیرائی نہیں کی جو مینکا کے لڑکے کو ملی۔" "گجرات کا "ہیرو" بھی رشک کر رہا ہوگا کہ اسے تو میڈیا کی گڈبک تک پہنچنے کے لیے برسہا برس لگ گئے، اور اس لڑکے کو میڈیا نے راتوں رات ہیرو بنا دیا۔

ویسے یہ نسخہ بہت پرانا ہے

ویسے ہندوستانی میڈیا نے یہ نسخہ لوگوں کو بہت پہلے سے بتا رکھا ہے اور بے لگام افراد اسے استعمال بھی کرتے رہے ہیں۔ بمبئی میں ۴۵ سال پہلے ایک اخباری کارٹون ساز ہوا کرتا تھا۔ جب اس نے جنوبی ہند کے لوگوں کو گالیاں دینی شروع کیں تو ہیرو بن گیا۔ اور جب ایک بار ہیرو بن گیا پھر وہ کسی کو بھی گالیاں دے، اس کی یہ حیثیت برقرار رہتی ہے۔ وہ آج ۸۲ سال کی عمر میں بھی میڈیا کا ہیرو ہے ——— لیکن کوئی یہ سمجھنے کی غلطی نہ کرے کہ یہ میڈیا کا قاعدۂ کلیہ ہے۔ میڈیا کا یہ اصول صرف کچھ مخصوص آبادیوں سے تعلق رکھنے والے اور خاص زبان بولنے والوں کے لیے ہے۔ ورنہ اس کے برعکس ہو تو یہی میڈیا ولین بھی بنا دیتا ہے۔ پھر یہ کہ میڈیا کا ہیرو بننے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ گالیاں دینے والوں کو قانون کا خوف نہ ہو، پولس کا ڈر نہ ہو۔ یہ یقین ہو کہ اگر پولس یا الیکشن کمیشن شرما شرمی میں کوئی کارروائی کرتے بھی ہیں تو اس کی کوئی حقیقت نہ ہوگی، بلکہ یہ کارروائی انہیں ہیرو بنانے میں معاون ومددگار ثابت ہوگی نیز یہ کہ کوئی سیاسی پارٹی ان کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوگی۔ اگر اس یقین کے بغیر کوئی کسی کے خلاف سچ بات بھی کہہ بیٹھتا ہے تو اسے میڈیا کا ولین بننے اور حوالات میں پولس کے مغلظات سننے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

قانون کی یہ بے بسی کیوں؟

وشو ہندو پریشد کے اشوک سنگھل، گری راج کشور، پروین توگڑیا، شیوسینا کے بال ٹھاکرے، اجودھیا آندولن کی اما بھارتی اور سادھوی رتمبرا وغیرہم جو زبان اقلیتوں کے خلاف بولتے رہے ہیں اور آج بھی کچھ لوگ بول رہے ہیں، اگر کوئی غیر ملکی مبصر اس پر غور کرے تو یہ رائے قائم کرے گا کہ ہندوستان میں یہ زبان بولنے والوں کے خلاف کوئی قانون نہیں ہے۔ لیکن جب اسے معلوم ہوگا کہ قانون تو ہے لیکن ان لوگوں کو اس کا ڈر نہیں ہے تو یقیناً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ان بدزبانوں کی جرأت، پولس کی نااہلی اور قانون کی بے بسی کے لیے میڈیا ذمے دار ہے جو ان لوگوں کے مغلظات کو بڑے پیمانے پر پھیلا کر پہلے تو عوام کو ان مغلظات کا عادی بناتا ہے، پھر جب پولس اور قانون ان کے خلاف حرکت میں آتے ہیں تو عوام انہیں ہیرو سمجھ کر قانون کی مزاحمت کرتے ہیں۔ میڈیا اس چیز کو مزید اچھالتا ہے ——— اس لیے ملک کے وہ سیاستداں، دانشور اور عام شہری جو اس صورت حال سے فکرمند ہیں اور اس فتنہ وفساد کو ختم کرنا چاہتے ہیں انہیں میڈیا کی طرف توجہ دینی ہوگی۔ مغرب کے ایک دانشور نے بہت پہلے کہا تھا کہ اگر ذرائع ابلاغ پر پابندی لگا دی جائے تو دنیا سے آدھے سے زیادہ جرائم خود بخود ختم ہوجائیں گے۔ (پ ر)

کوئٹہ طالبان کا ہیڈکوارٹر / ہالبروک

لندن۔ افغانستان اور پاکستان کے بارے میں امریکی صدر کے ایلچی رچرڈ ہالبروک نے بی بی سی کو دیے گئے ایک انٹرویو میں یہ انکشاف کیا ہے کہ پاکستان کا شہر کوئٹہ طالبان اور دنیا کے بدترین لوگوں کا ہیڈکوارٹر ہے۔ انھوں نے کہا کہ افغانستان میں امن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہاں طالبان کی محفوظ پناہ گاہیں ہیں، لیکن انھوں نے ان اطلاعات کی تصدیق یا تردید کرنے سے انکار کردیا کہ امریکہ ڈرون حملوں کا جائزہ لے کر کوئٹہ تک وسیع کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔

انخلاء کا پروگرام بھی ضروری / اوباما

واشنگٹن۔ امریکی صدر بارک اوباما نے کہا ہے کہ جہاں افغانستان میں مزید فوجی تعینات کئے جارہے ہیں وہیں انخلاء کی حکمت عملی بھی موجود ہونی چاہئے۔ انھوں نے ایک امریکی ٹی وی چینل سی بی ایس کو دیئے جانے والے انٹرویو میں کہا کہ افغانستان میں کارروائی کا بنیادی مقصد اب بھی امریکہ کے خلاف حملے روکنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ وہ افغانستان کے لئے ایک جامع حکمت عملی پر کام کر رہے ہیں، جس میں افغانستان کی اقتصادی ترقی اور پاکستان اور خطے کے دیگر ممالک کے ساتھ سفارتی تعلقات میں بہتری شامل ہے۔

کسی حصے پر طالبان کا کنٹرول نہیں / زرداری

اسلام آباد۔ پاکستانی صدر آصف علی زرداری کا کہنا ہے کہ پاکستان کے کسی بھی حصے پر طالبان کا کنٹرول نہیں ہے۔ انھوں نے برطانوی ٹی وی چینل اسکائی نیوز کے جیری تھامسن کے ساتھ ایک انٹرویو میں کہا کہ ملک کے کسی بھی حصے پر شریعت کا قانون نافذ کرنے کی باتیں میڈیا کا پھیلایا ہوا پروپگنڈہ ہے۔ صدر زرداری نے کہا کہ انھوں نے ابھی تک ایسے کسی قانون کے مسودے کو منظوری نہیں دی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ملک میں شرعی عدالت تیس سال سے زیادہ عرصے سے موجود ہے۔

سوڈانی صدر کا دورۂ اریٹیریا

خرطوم۔ جنگی جرائم کی بین الاقوامی عدالت کی طرف سے گرفتاری کا حکم جاری کئے جانے کے باوجود سوڈان کے صدر عمر البشیر اپنے پہلے سرکاری دورے پر گزشتہ اتوار (۲۳ / مارچ کو) اسمرہ پہنچے۔ واضح رہے کہ صدر بشیر نے اپنا یہ سرکاری دورہ ایسی حالت میں کیا ہے جبکہ سوڈان کے عوام نے انہیں غیر ملکی دورہ نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ انھوں نے یہ دورہ اریٹیریا کی دعوت پر کیا ہے۔

انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا الزام

واشنگٹن۔ دو رپورٹوں میں اسرائیل پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ اس نے غزہ کی پٹی میں اپنے حالیہ حملوں کے دوران انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی ہے۔ ان میں اقوام متحدہ کی وہ رپورٹ بھی شامل ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ یہ خلاف ورزیاں جنگی جرائم کے مترادف ہوسکتی ہیں۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ایک تفتیش کار رچرڈ فاک نے کہا ہے کہ اگر اسرائیلی فوجیوں کے لئے گنجان آباد ساحلی علاقے میں عام شہریوں اور فوجی اہداف کے درمیان تمیز کرنا ممکن نہیں تھا تو ہوسکتا ہے کہ بین الاقوامی قانون کے تحت اسرائیل کا پورا حملہ بھی غیرقانونی ہو۔

عراقی وزیراعظم کا مطالبہ

بغداد۔ عراقی وزیراعظم نوری المالکی نے صدارتی کونسل سے اپیل کی ہے کہ وہ صدام حکومت کے مجرم عہدیداروں کی سزائے موت کے فیصلے کی توثیق کردے۔ ان میں علی حسن المجید المعروف کیمیکل علی، سلطان ہاشم اور حسین تکریتی شامل ہیں۔ واضح رہے کہ عراق کی فوجی عدالت نے انہیں لاکھوں عراقی کردوں کے قتل کا مجرم قرار دیتے ہوئے تینوں کو سزائے موت سنائی تھی۔

تاریخ انسانی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی ہستی

ترجمہ و تلخیص: ابوالکرم عرفان، حیدرآباد

(مائیکل ایچ ہارٹ کی مشہور کتاب "The 100" کا ایک باب)

میرا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو دنیا کی سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی ہستی کے طور پر انتخاب کرنا کچھ قارئین کو حیرت زدہ کردے گا اور کچھ دوسرے اس سلسلے میں سوال کرسکتے ہیں، لیکن تاریخ انسانی میں وہی ایک تنہا ہستی ہیں، جنھوں نے دنیاوی (Secular) اور مذہبی دونوں سطح پر نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی ہے۔ انتہائی معمولی اور عام حالات میں محمدؐ نے دنیا کے عظیم مذاہب میں سے ایک (اسلامی) مذہب کی بنیاد رکھی اور اس کو پھیلایا اور انتہائی موثر سیاسی لیڈر ثابت ہوئے۔ آج آپ کو دنیا سے رخصت ہوئے ۱۳ صدیاں گزر چکی ہیں (دعوت میں اس مضمون کی اشاعت کے وقت ۱۴۳۰ سال) اور ان کا اثراب بھی طاقتور اور نفوذ کرنے والا ہے۔

اس کتاب میں جن شخصیتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی اکثریت کو یہ موقع حاصل تھا کہ وہ تہذیب کے مراکز، اعلیٰ ثقافت اور سیاسی مراکز رکھنے والی قوموں میں پیدا ہوئے۔ اس وقت یہ علاقہ دنیا کا پسماندہ ترین علاقہ تھا جو تجارتی، ثقافتی اور علمی مراکز سے دور تھا۔ وہ یتیم پیدا ہوئے تھے۔ ان کے اطراف سیدھا سادھا دیہاتی ماحول تھا۔ اسلامی روایات کہتی ہیں کہ آپ ان پڑھ تھے۔ ان کی معاشی حالت میں اس وقت بہتری پیدا ہوئی جب ۲۵ سال کی عمر میں آپؐ نے ایک مالدار بیوہ سے شادی کی۔ تاہم جب وہ ۴۰ سال کی عمر کو پہنچے تو ظاہری طور پر تھوڑا اشارہ ملا کہ آپ غیر معمولی شخصیت ہیں۔

اس وقت کئی عرب ملحد تھے اور بہت سے خداؤں پر یقین رکھتے تھے۔ جب آپؐ ۴۰ سال کے ہوئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یقین تھا کہ خدا آپ سے کلام کرتا ہے (حضرت جبرئیل کے واسطے سے) اور انہیں سے اعتقاد (اسلام) کو پھیلانے کے لئے منتخب کرلیا ہے۔

تین سال تک وہ اپنی تبلیغ صرف قریبی دوستوں اور ساتھیوں میں کرتے رہے۔ تقریباً ۶۱۳ء میں عوام میں تبلیغ کا آغاز کیا۔ جب خاموشی سے لوگ اسلام قبول کر رہے تھے۔ مکہ کے سرداروں نے خیال کیا کہ آپ ہمارے لئے خطرناک اور مصیبت ہیں۔ ۶۲۲ء میں اپنے تحفظ سے اندیشہ محسوس کرتے ہوئے آپ ایک رات حضرت ابوبکر کے ساتھ) مدینہ کے لئے (جو مکہ سے ۲۰۰ میل دور ایک شہر ہے) نکل پڑے یہاں آپ کو قابل لحاظ سیاسی اقتدار ملا۔

آپ کا یہ نکلنا ہجرت کہلاتا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں ایک اہم موڑ تھا۔ مکہ میں آپ کی اتباع کرنے والے چندلوگ تھے۔ مدینہ میں بہت زیادہ آپ کے متبعین ہوگئے تھے اور جلد ہی آپؐ نے یہ اثر حاصل کرلیا کہ عملی طور پر آپ کو مکمل حکمراں بنادیا گیا۔ آئندہ چند برسوں میں جب کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی، مدینہ و مکہ کے درمیان کئی سلسلہ وار لڑائیاں لڑی گئیں۔ یہ لڑائی ۶۳۰ء میں اس وقت ختم ہوئی جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ میں فاتح کی حیثیت سے واپس ہوئے۔ ان کی زندگی کے باقی ڈھائی سال میں دیکھا گیا کہ تیزی سے عرب قبائل نئے مذہب (اسلام) کو قبول کر رہے ہیں۔ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ۶۳۲ء میں انتقال ہوا۔ آپ سرزمین عرب کے باا ثر حکمراں تھے۔

بدوی عرب قبائل بہادر جنگجو کی حیثیت سے معروف تھے لیکن ان کی تعداد تھوڑی تھی اور ان میں اتحاد نہ تھا وہ ہمیشہ آپسی لڑائی میں ملوث رہتے تھے۔ ان کا مقابلہ شمال کے زراعتی علاقے کی سلطنتوں کی بڑی فوجوں سے بالکل نہ تھا۔ بہرحال تاریخ میں پہلی مرتبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں متحد کیا ایک سچے خدا پر یقین نے ان عربوں کو چھوٹی فوجوں کو یہ حوصلہ دیا کہ وہ اپنے دشمن پر ٹوٹ پڑیں چنانچہ انسانی تاریخ میں فتوحات کا حیرت انگیز سلسلہ شروع کیا۔ عرب کے شمال مشرق میں کسریٰ کی وسیع سلطنت تھی، شمال مغرب میں بازنطینی یا مشرقی رومن ایمپائر (قیصر) تھی جس کا مرکزی مقام قسطنطنیہ (استنبول) تھا۔ اگرچہ جنگ کے میدان سے یہ علاقے بہت دور تھے مگر جنگجو عربوں نے تیزی سے عراق، شام اور فلسطین کو فتح کرلیا۔ ۶۴۲ء میں مصر کو بازنطینی شہنشاہیت سے آزاد کرالیا گیا جب کہ ایرانی افواج قادسیہ کی اہم لڑائی میں ۶۳۷ء میں اور ۶۴۲ء میں نہاوند میں سخت شکست سے دوچار ہوکر ختم ہوگئیں۔ حالانکہ ان فتوحات میں تعداد کے اعتبار سے عربوں کی تعداد اپنے دشمن کے مقابلے میں کچھ نہیں تھی۔

ان مختلف فتوحات کے باوجود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریبی دوست اور جانشین ابوبکرؓ اور عمر بن خطابؓ کی قیادت میں ہوئے عربوں کے اقدام کو روکا نہ جاسکا۔ ۷۱۱ء تک عرب فوجیں مکمل طور پر شمالی افریقہ سے بحر اوقیانوس تک کے علاقہ کا صفایا کرچکی تھیں۔ اس کے بعد وہ شمال کی طرف مزید بڑھے یہاں تک کہ آبنائے جبرالٹر سے ہوتے ہوئے اسپین کی حکومت کو شکست دے دی۔

کچھ وقت کے لئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسلمان پورے عیسائی یورپ پر چھا جائیں گے۔ تاہم اس جنگ کی صدی میں بدوی قبائلیوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں سے حوصلہ پاکر ایک ایسی سلطنت قائم کی جس کی حدود ہندوستان کی سرحد سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ایسی وسیع سلطنت جس کو دنیا نے اس وقت ہی دیکھا۔ بعد میں جہاں بھی فوجوں نے فتح حاصل کی اس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر نئے عقیدہ (اسلام) کو قبول کیا گیا۔ اسپین میں سات صدیوں سے زائد مدت تک حکومت کرنے کے بعد آخر کار عیسائیوں نے دوبارہ پورے جزیرہ نما پر فتح حاصل کی۔ عراق اور مصر جو قدیم تہذیب کے گہوارے تھے وہ عرب (مسلمان) باقی رہے جس طرح شمالی افریقہ کا ساحل عرب (مسلمان) ہے۔ یہ نیا مذہب (اسلام) درمیانی صدیوں میں مسلسل پھیلنے لگا۔ اس کی حدود مسلمانوں کی اصلی فتوحات سے بہت زیادہ تھیں۔ آج کل افریقہ اور وسطی ایشیا میں لاکھوں (کروڑوں) افراد اس سے وابستہ ہیں اور اس سے زیادہ پاکستان، شمالی ہندوستان اور انڈونیشیا میں ہیں۔ انڈونیشیا میں یہ نیا عقیدہ (اسلام) متحد رکھنے کا باعث ہے۔ برصغیر میں بہرحال مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی جھگڑے متحد ہونے کے لئے بڑی رکاوٹ ہیں۔

تب کس طرح ایک شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انسانی تاریخ پر مجموعی اثر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے؟ تمام مذاہب کی طرح اسلام بھی اپنے ماننے والوں پر اپنا گہرا اثر ڈالنے کے لئے زور لگاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں تمام بڑے مذاہب کے بانیوں کو نمایاں جگہ دی گئی ہے۔ کیونکہ اندازاً عیسائی مسلمانوں سے دوگنے ہیں اور ابتدائی طور پر یہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عیسیٰ علیہ السلام پر ترجیح دی گئی ہے۔ اس فیصلہ کی دو بڑی اہم وجوہ ہیں۔ پہلے یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسلام کی اشاعت میں بہت ہی اہم رول ادا کیا ہے۔ بہ مقابلہ عیسائیت کی اشاعت کے سلسلہ میں جو عیسیٰ (علیہ السلام) نے کی ہے۔ اگرچہ یہودی عیسائیت کی اہم اخلاقی وروحانی اُصولوں کے ذمہ دار تھے۔ (یہ بڑی حد تک یہودیت سے مختلف تھے) یہ سینٹ پال تھا جس نے عیسائی دینیات کو پروان چڑھانے میں اہم رول ادا کیا۔ اس نے عیسائیت کے بنیادی عقائد کو بدل کر رکھ دیا۔ وہ موجودہ انجیل کے بڑے حصے کا مصنف ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بہرحال اسلام کے بنیادی روحانی اور اخلاقی اُصولوں اور اس کی دینیات کے ذمہ دار ہیں۔ مزید یہ کہ انہوں نے نئے عقیدہ (اسلام) کی تشکیل میں اہم رول ادا کیا اور اسلام کے مذہبی اعمال کو رواج بھی دیا۔ اس کے علاوہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (برخلاف حضرت عیسیٰؑ کے) ایک طرف سیکولر اور دوسری طرف مذہبی قائد تھے۔ درحقیقت عرب (مسلمان) فتوحات کے پس پردہ اثر انداز ہونے والی قوت تھے اس طرح تمام زمانے کے نہایت موثر سیاسی قائد تھے۔

بہت سے اہم تاریخی واقعات کے سلسلے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ بہرحال وقوع پذیر ہونے والے تھے۔ چاہے کوئی مخصوص سیاسی قائد انہیں رہنمائی دینے کے لئے موجود بھی نہ ہوتا۔ مثلاً جنوبی امریکہ کی نوآبادیاں اسپین سے بہت ممکن ہے آزادی حاصل کرلیتیں خواہ سائمن بالیور وہاں نہ ہوتا۔ لیکن عرب (مسلمان) فتوحات کے سلسلے میں یہ نہیں کہا جاسکتا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ایسی کوئی چیز وقوع پذیر نہیں ہوئی اور اس پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ فتوحات ان کے بغیر حاصل کی جاسکتی تھیں۔ انسانی تاریخ میں صرف منگولوں کی تیرہویں صدی کی فتوحات سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے جو چنگیز خاں کے اثر کی وجہ سے عربوں (مسلمانوں) کی فتوحات سے وسیع تھیں مگر وہ مستقل ثابت نہیں ہوئیں اور آج جو رقبہ منگولوں کے قبضہ میں ہے وہ چنگیز خاں کے وقت سے پہلے کا ہے۔

یہ عربوں (مسلمانوں) کی فتوحات سے بہت مختلف ہے۔ عراق سے مراقش تک عرب (مسلمان) اقوام کی ایک زنجیر ہے جو نہ صرف اسلام پر اعتقاد کی وجہ سے متحد ہے بلکہ اس کی وجہ ان کی عربی زبان، تاریخ اور تہذیب بھی ہے۔ مسلم مذہب (اسلام) میں قرآن کی مرکزیت اور حقیقت میں اس کا عربی میں لکھا ہونا شاید عربی زبان کو مختلف لہجوں میں تقسیم کرنے سے روکنے کا باعث ہوا ہے ورنہ ۱۳ صدیوں میں وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتی۔ اختلافات اور تفرقے عرب (مسلمان) ریاستوں میں یقیناً موجود ہیں اور قابل لحاظ ہیں مگر جزوی اختلاف ہم کو اس سے اندھا بنادے کہ ہم اتحاد کے اہم عنصر کو جو موجود پایا جاتا ہے نظر انداز کردیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عربوں (مسلمانوں) کی ساتویں صدی کی فتوحات انسانی تاریخ میں اہم رول آج تک ادا کررہی ہیں۔ یہ سیکولر اور مذہبی مشترکہ اثر جو ناقابل تسخیر ہے اس کی وجہ یہ احساس ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تاریخ انسانی کی واحد نہایت موثر ہستی قرار دیا جائے۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسں، وہی طٰہٰ

●●

ہم کہاں جارہے ہیں؟

طارق رضا ایے خاں، بھساول، مہاراشٹر

زمانہ برق رفتاری سے ترقی کر رہا ہے۔ ہر چیز بہتر سے بہترین ہوتی نظر آرہی ہے۔ ترقی کے اس دور میں دُنیا سمٹ گئی ہے۔ دُنیا کے اس سمٹنے میں جہاں چند فائدے سامنے آئے ہیں وہیں ہزاروں نقصانات بھی سامنے آئے۔ ہر طرف روپیہ کی ریل پیل ہوگئی۔ روپیہ کمانے کی اس دوڑ میں انسان اتنا مصروف ہوگیا ہے کہ قرب وجوار میں کیا ہو رہا ہے اُسے ہی خبر ہی نہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اخلاقیات میں اتنا بگاڑ پیدا ہوگیا ہے کہ آج کا انسان اپنی ماتھے کی آنکھوں سے جو کچھ دیکھ رہا ہے اُس کے غلط اور انتہائی غلط ہونے کے باوجود معمولی سمجھ کر نظر انداز کر رہا ہے۔

چونکہ ہمارا سماج بھی اس کا اٹوٹ حصہ ہے اس لئے ان تمام باتوں کا اثر اس پر بھی پڑنا لازمی ہے۔ ٹی وی، میوزک پلیئر، انٹرنیٹ اور سب سے بڑھ کر موبائل جو اِس وقت سوسائٹی اسٹیٹس بنا ہوا ہے۔ جو وقت کی ضرورت سے زیادہ وقت کا بگاڑ اور امربیل کی طرح پورے سماجی درخت کو لپیٹ میں لے رہا ہے۔

آج کل چھوٹے شہروں میں گلی کے نکڑ پر پی سی او اور چھوٹے بڑے شہر میں موبائل لئے لڑکے لڑکیاں محوِ گفتگو ہیں۔ پی سی او پر کھڑے ہوکر لڑکے لڑکیاں گھنٹوں باتیں کرتے ہیں۔ جو اپنے گھر، خاندان، اور عصمت کو داؤ پر لگا رہے ہیں۔ کالجس کے پاس یہ بھیڑ کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی ہے۔ تعلیم نسواں اچھی چیز ہے لیکن تعلیم کے نام پر بے راہ روی بہت بڑی چیز ہے۔

بقول شاعر

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

ہم نہیں کہتے کہ تمام لڑکے لڑکیاں (اسٹوڈنٹس) اس قسم کی اوچھی حرکتوں میں ملوث ہیں۔ مگر اس قسم کی اوچھی حرکتوں میں ملوث لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد بھی کم نہیں۔ بزرگوں کا احترام، ماں باپ کے آداب یہ باتیں روز بروز کم ہوتی جارہی ہیں۔ اخبارات میں یہ خبر پڑھنے کو ملی کہ" چند مسلم لڑکوں لڑکیوں کو ممبئی کے چوپاٹی سے پولیس نے پکڑا۔" کیا یہ خبر مسلم معاشرے کے لئے باعث شرم نہیں؟ اسکول اور کالجس کے پاس لڑکوں کا جم غفیر انہونی سماجی بیماری کا پیش خیمہ نہیں؟ کیا راستے سے گزرتے ہوئے بزرگ، نمازی حضرات ان لڑکوں کو شرمندہ نہیں کرسکتے؟ سب سے بڑھ کر والدین جو تھوڑی سی توجہ دیں کہ اُن کا بچہ کہاں جارہا ہے کیا کر رہا ہے تو آدھے مسائل خود ہی حل ہوجائیں گے۔ کیا ہمارے گھر کے بچے پڑھیں گے ہم اُسی وقت توجہ دیں گے؟ کیا دوسرے بچے بچیاں ہمارے بچوں سے جدا ہیں؟

اصلاح معاشرہ کمیٹی بنا کر بھی ہم ان باتوں پر نظر رکھ سکتے ہیں۔ بغیر شوبازی اور شور شرابے کے کمیٹی فعال ہو عملی طور پر دوسری کمیٹیوں کی طرح مگر ایسی کمیٹی بنائے کون؟ ہمارے یہاں تو ہر بات پر اخبار میں فوٹو شائع کرائے بغیر بات بنتی ہی نہیں۔ بڑے بڑے جلسوں جلوسوں میں رہنما جو بڑی بڑی تقاریر کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم سب کچھ اور بہت کچھ ہیں اور معاشرے کی ناؤ میں چپو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس حساس مسئلہ کی طرف توجہ نہیں دے سکتے۔

یہ تو بہت چھوٹا مسئلہ ہے لیکن انتہائی حساس مسئلہ ہے کیونکہ اس کا تعلق ہمارے معاشرتی نظام سے ہے۔ اپنی وقتی ضد پوری نہ ہونے کی شکل میں بچے بچیاں یا ماں باپ باعث غیرت خودکشی تک کرلیتے ہیں۔ اور ہنستے کھیلتے خاندان کا دیکھتے ہی دیکھتے شیرازہ بکھیر جاتا ہے۔ وہ ویران و بنجر ہوجاتا ہے۔ ٹیلی ویژن اور موبائل جو سامان تفریح اور ضرورت کی گنگا بن کر گھر میں داخل ہوا تھا جنازہ بن کر باہر نکل رہا ہے۔

ٹیلی ویژن نے شروع میں ہلکی تفریح کا ذریعہ بن کر ریئس گھروں میں دستک دی اور بعد میں غریب کی کٹیا تک رسائی کرگیا۔ اس نے گھروں کی نیند حرام کی۔ چھوٹے بڑے کا احترام، آپس میں بیٹھ کر صلاح مشورے کرنا، یہ سب ٹیلی ویژن کی نذر ہوگئے۔ رات دیر گئے تک فٹ بال میچ، ریالٹی شو دیکھنے جارہے ہیں۔ عورتیں سیریلس دیکھ رہی ہیں جو سماج کے کسی بھی معیار کے کسی بھی پیمانے پر پورے نہیں اُترتے بلکہ یہود و نصاریٰ اور مغرب کے اخلاقیات کی زندہ تصویر بنے ہوئے ہیں۔

کہاں گئے بھارتی تہذیب کے ٹھیکیدار جن کی زبانیں مسلم پرسنل لاء اور گڑیا کے مسائل پر بولتے نہیں تھکتیں۔ جو فسطائی آنکھ اور تعصبی دماغ سے ہی سوچتے ہیں۔ جو زبان اور علاقہ کی بنیاد پر محنت کشوں کی روزی روٹی اور بچوں کا نوالا چھین رہے ہیں۔ لوگوں کو خوانچہ لگانے سے بھی روک رہے ہیں کیا اُنہیں اپنی تہذیب کی فکر نہیں جو فلموں اور ٹی وی سیریل کے ذریعہ ملیامیٹ ہورہی ہے۔ کیا انہوں نے کبھی سیریل کے بارے میں احتجاج کیا ہے؟ اگر کیا بھی ہو تو سیاست کی بنیاد پر نہ کہ اخلاقیات کی بنیاد پر۔

ہم مذہب اسلام کے پیروکار ہیں۔ آج ہمارا ملک جس نازک دور سے گزر رہا ہے اُس کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ ہمارے ساتھ دیگر قومیں بھی آباد ہیں۔ مگر غیر مذاہب میں یہ باتیں اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔ جس مذہب میں ناچنا گانا، دیوی دیوتاؤں کو اُم الخبائث کے چڑھاوے چڑھانا ٹی وی پروگرامس میں ماں باپ، دادا دادی کا پوتا پاتی کے ساتھ ٹھمکے لگانا باعث فخر سمجھا جاتا ہو۔ جہاں کالج میں لڑکے لڑکیاں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ دیر رات گئے تک پارٹیوں میں شراب کی بوتلوں میں ڈوب کر نیم عریاں ہوکر ناچتی ہوں اور اسے اعلیٰ سوسائٹی کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہو ہم ایک ملک کے باشندے ہونے کی بناء پر اُن کے ساتھ رہ تو سکتے ہیں لیکن ان کے عادات و اطوار کسی بھی بناء پر اپنا نہیں سکتے کیونکہ ہمارا مذہب خود اپنے اندر ایک زبردست اخلاقی نظام لئے ہوئے ہے۔

ٹی وی کے ایک ڈانس پروگرام میں ایک مسلم جوان لڑکی نے حصہ لیا اور سامنے اُس کے بزرگ دادا بیٹھے ہوئے خوش ہورہے تھے۔ پروگرام کے خاتمے پر اینکر نے اُس لڑکی کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ کیا اس ملک میں خود کو مہذب ثابت کرنے کے لئے دوسروں کے عادات اطوار اپنانے ہوں گے؟

کیا ہم تب ہی تہذیب یافتہ کہلائیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ہمیں مسلم ہونے پر فخر ہونا چاہئے۔ کیونکہ دوسری قومیں بھلے ہی ظاہری طور پر اس بات کو تسلیم نہ کریں لیکن غیر ارادی طور سے ہی وہ اس کو اپنا رہی ہیں۔ جس کی سب سے بڑی مثال آج کل گرمی کی وجہ سے جو غیر مذاہب کی عورتیں ہاتھوں میں گلوز، منہ پر کپڑا اور بدن پر سن کوٹ کا استعمال کررہی ہیں کیا ان تمام چیزوں کا صرف ایک نعم البدل برقع نہیں ہے؟ لیکن ابلیس کے چیلوں نے اِسلام اور برقعے کے خلاف واویلا مچا رکھا ہے وہ نہیں چاہتے کہ دوری قوم کی عورتیں برقع اور اسلام کی افادیت و اہمیت کو سمجھے بلکہ غلط اور گھٹیا پروپگنڈے کے ذریعہ عورتوں کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کیونکہ اگر انہوں نے اِسلام اور برقع کی اہمیت و افادیت کو سمجھ لیا تو "کملاداس" جیسی عظیم مصنفہ کو "ثریا" بنتے وقت نہیں لگتا۔

ہندوستان بہت صوفیائے کرام اور سنتوں کی روایات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اخلاقیات کے لئے اسکول میں پریڈ لینے اور ذہنی سکون کے لئے مساج سینٹر کی ضرورت نہیں اخلاقیات کی تعلیم ماں کی گود، گھر، خاندان سے ملتی ہے۔ رہی بات ذہنی سکون کی تو اُس کے لئے مسجد سے بہتر جگہ نہیں۔ ذہن ایک پودا ہے مسجد اُس کی زمین اور پانچ وقت کی نماز اُس کا پانی۔ ایک دن میں پانچ مرتبہ پانی کے چھڑکاؤ سے پودا ہمیشہ سرسبز و تروتازہ رہتا ہے۔ روحانیت کی بھینی بھینی خوشبو دل و دماغ کو تروتازہ رکھتی ہے۔ رہی بات مساج سینٹر کی وہاں تصاویر اور ورکر سے طبیعت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ بدبو ہی بدبو پھیلتی ہے۔

میک ڈونالڈ جو شہروں کی شان بنتے جارہے ہیں جس میں جاکر پزا کھانا باعث فخر سمجھا جارہا ہے اور یہ وباء بڑی تیزی سے چھوٹے بڑے ہر کسی میں پھیلتی جارہی ہے۔ بھلے ہی پزا جیسی لعنت کو ہضم کرنے کے لئے دوسری لعنت یعنی پیپسی پینی پڑے۔ یہ مہنگا پزا مغلئی بریانی کی ایک بوٹی کے برابر بھی ذائقہ اپنے اندر نہیں رکھتا۔

"کوا چلا ہنس کی چال" کے مصداق ہمارا اپنے گھر، معاشرہ، ملک، تہذیب روایات چھوڑ کر دوسروں کی تہذیب صرف نام و نمود کے لئے اپنانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ انگریز پزا کھاتے ہیں تو کھانے دیجئے وہ ان کی مجبوری ہے کیونکہ ان کی بیگمات گھر پر ہوتی ہی نہیں یا شادی چند مہینوں یا چند سالوں کے لئے ہوتی ہے۔ گھر پر کھانا بنا کر کھلائے کون؟ بریانی، قورمہ تو دور کی بات گھر کے اُبلے ہوئے چاول بھی اُنہیں نصیب نہیں۔ ہوا بند ڈبوں کے کھانے پر اُن کی زندگی ٹکی ہوئی ہے۔

بقول اورنگ زیب "عورت کے بغیر گھر ویرانہ ہے۔" بچوں کے بنا گھر ادھورا ہے۔ ننھی مسکان ماں باپ کے لئے خدا کا حسین تحفہ ہے مگر مغربی تہذیب نے بچوں کو بوجھ اور کتے بلّی کو بچوں کا درجہ دے دیا ہے۔ وہ بدنصیب یہ نہیں سمجھتے کہ جانور صرف حرکات و سکنات کے پابند ہوتے ہیں جذبات کے نہیں۔ والدین کے بیمار ہونے پر جو خدمت نیک اولاد کرسکتی ہے کتے بلیاں وہ جگہ کیسے لے سکتے ہیں۔ ماں باپ کے حقوق، اولاد کے فرائض ان تمام باتوں پر اسلام ہی رہنمائی کرتا ہے۔ بقول آیت اللہ خمینی "اسلام کو دُنیا کی نظر سے نہ دیکھو بلکہ دُنیا کو اسلام کی نظر سے دیکھو۔"

خاندانی اقدار جو بزرگوں کے ذریعہ بچوں کو ملتے تھے اب تقریباً عنقا ہوگئے۔ پیسہ کمانے کی مقابلہ آرائی میں شہروں میں بھیڑ لگ رہی ہے۔ فلیٹوں اور بلڈنگوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ شہروں کے مالس کی رنگینی گاؤں کی سانجھ پر حاوی ہوگئی۔ گھر کا باڑہ سٹ کر بالکنی بن گیا۔

مہمانوں کے آمد کی خبر جو کبھی کوے کی کائیں کائیں اور چڑیوں کی چہچہاہٹ سے ہوتی تھی، ڈور بیل، میں تبدیل ہوگئی۔ بچے اخلاقی کہانیاں، قصے دادا دادی سے سننے کی بجائے کارٹون نیٹ ورک دیکھ رہے ہیں لوریوں اور قرآنی آیت پڑھ کر سونے کی بجائے گانے دیکھ کر سو رہے ہیں۔ کیا ہم نے سوچا کہ ہم کہاں تھے اور اب کہاں جارہے ہیں؟

●●

جاہلانہ تعصّبات اور ہم

محمد سیف اللہ، چندر گھٹ، کوٹہ، راجستھان

باری تعالیٰ کا فرمان ہے: "لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں اس لئے بانٹ دیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔" (سورۃ الحجرات: ۱۳) دوسری جگہ فرمایا پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن ان میں باہم نسب و قرابت (رشتہ) نہ رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔" (سورۃ المؤمنون: ۱۰۱) اور رسول اللہؐ نے فرمایا: جس نے جاہلیت کا نعرہ بلند کیا وہ جہنم میں جائے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا: چاہے وہ نماز وروزہ ادا کرتا ہو یا رسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا: چاہے وہ نماز روزہ ادا کرتا ہو۔ (ترمذی)

رسول اللہؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے مشہور خطبے میں جاہلانہ تعصبات کو کچل دینے کی ہدایت فرمائی تھی۔ سن لو، جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔ (مسلم، ابوداؤد) ایک موقع پر نبیؐ نے فرمایا: سن لو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر، کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے سبب سے۔ (مسند احمد) اور رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عمل میں سست ہوگا، اس کا نسب اس کی تلافی نہیں کرسکے گا۔ نبیؐ نے اپنی بیٹی کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: اے فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچانا میں اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہیں کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ (مسلم) قرآن وحدیث کی انہی تعلیمات اور رسول اللہ کی عملی تربیت کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں میں رنگ و نسل اور ذات برادری کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہ گیا تھا۔ برصغیر ہند میں یہاں کے قدیم سماجی اثرات ورن و یوستھا اور اونچ نیچ نے مسلمانوں کے اندر اپنی جڑیں مضبوط کرلیں باہر سے آنے والے اور برصغیر میں اسلام کی تبلیغ کرنے والے بھی اس سماجی لعنت میں گرفتار ہوگئے انہوں نے یہاں اسلام کی تبلیغ تو کی مگر لوگوں کو صرف کلمہ پڑھانے اور چند عبادات کی تعلیم دینے تک محدود رہے یہاں کی قدیم تہذیب اور سماجی روایات کو اسلامی تہذیب اور احکام و تعلیمات حد تک میں رنگنے کی کوئی کوشش نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج برصغیر کے مسلمانوں میں بھی وہ تمام خیالات، نظریات، جذبات و احساسات اور رسوم ورواج پائے جارہے ہیں جو اس ملک کی خاص پہچان بلکہ طرہ امتیاز رہا ہے۔ برادری پرستی میں ہم پوری طرح سے لت پت ہیں۔ ہمارے اسلامی بھائی چارہ کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ جب کوئی معاشرہ اس طرح کے اندرونی بکھراؤ، بھید بھاؤ اور ظلم و ستم میں پھنس جاتا ہے۔ تو پھر اس کی تباہی و بربادی ضروری ہوجاتی ہے۔ ضروری ہے کہ ہم خود کو نسلی تفاخر، خاندانی فرق و امتیاز اور قومی وعلاقائی بھید بھاؤ اور ذات برادری کے تعصبات سے اوپر اٹھائیں اور صحیح اسلامی اخوت کو اپنے اندر پیدا کریں۔

●●

یہ دنیا مردہ بکری کے بچے سے بھی زیادہ حقیر ہے

ظفر عاقل، دارالعلوم صفہ نظام آباد

کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ کچھ دیر ٹھہر کر پل دو پل ہم اپنا اور اپنے معاشرے کا جائزہ لیں اپنے گھروں کی حالت اور اپنے بال بچوں کی سرگرمیوں پر نگاہ ڈالیں۔ دانشمندی اور ہوشیاری یہ ہے کہ انسان کا سرمایہ اور اس کی پونجی کہیں برباد نہ ہوجائے۔ ساری زندگی جن کے لئے کولھو کے بیل کی مانند ایک انسان دوڑ دھوپ کرتا ہے نہ صرف وہ تباہ و برباد ہوجائیں بلکہ یہ خود بھی اُس تباہی کا ایندھن بن جائے تو یہ بڑے گھاٹے اور تباہی و نقصان کا سودا ہوگا۔ حلال وحرام چھا برائیکی بدی کی تمیز اگر نگاہ میں نہ رہے تب انسان اور جانور کی زندگی میں کیا فرق رہ جائے گا، آج کیا ہماری یہ حالت نہیں ہوگئی کہ جب تک مرکھپ نہ جائیں کاروبار سے چوہیں گھنٹے چمٹے بیٹھے ہیں۔ وظیفہ ہوجائے تب بھی حرص و ہوس کا ناگ اپنا پھن پھیلائے انسان کے وجود کو ڈسے جارہا ہے اور اس زہر کو امرت سمجھنے کی خام خیالی اور فریب نگاہی میں مہلت زندگی کے اختتام کا صور اسرافیل بجنے اور چار کاندھوں پر سواری کا وقت آ لگ جاتا ہے۔ بوڑھے سفید بال جس فرد بشر کو بھی عطا کئے جاتے ہیں ان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبت و رحم اُمڈ آتا ہے لیکن ادھر یہ حال ہے کہ جس کو دیکھئے جدھر دیکھئے ہر ایک اپنے بڑھاپے کو چھپائے چھیل چھبیلا بنا پھرتا ہے اور غلطی سے کوئی ان حضرت کو انکل کہنے کی جسارت کردے تو منہ کا نقشہ ایسے بن جاتا ہے جیسے کہ سربازار کسی نے باسی کڑھی کی ہانڈی کو زور سے سڑک پر لا پٹک دیا ہو۔

آہ کیا ہوگیا اس قوم کو جس کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ جانشین رسالت بنائی گئی کہ اپنے حبیب کی ایک ایک امانت کو چاہے وہ قرآن کی شکل میں ہو یا حبیب خدا کے قول و سنت کی شکل میں اس کو لوگوں تک دُنیا کے ایک ایک فرد بشر تک پہنچادے اور جس کو ساتھ ہی ساتھ یہ عتاب دھمکی اور وعید بھی سنادی گئی کہ پچھلی قوموں نے اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچانے کا اصل کام کرنے کی بجائے دیگر مشاغل میں اپنی زندگی بسر کی تب اللہ کی لعنت اور اس کی پھٹکار ان کے گلے کا طوق بن گئی۔ آج ہماری موجودہ حالت کیا اس لئے نہیں ہے کہ ہم دنیا کے غلام اور دیوانے بن گئے ہیں۔ یہ دنیا اور اس کی آلائشیں ہماری زندگی کا محور اور اوڑھنا بچھونا بن چکے ہیں۔

ہماری نگاہ سے فرمانِ مصطفیٰ اوجھل ہو گیا جب آنحضورؐ نے دنیا کی مثال دیتے ہوئے اپنے اصحابؓ سے دریافت کیا تھا کہ تم میں سے کون ہے جو اسے (مردہ بکری کے بچہ کو) ایک درہم میں لینا پسند کرے گا۔ آقائے دو جہاںؐ نے پھر یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر اور بے وزن ہے جتنا یہ مردہ (بکری کا) بچہ تمہاری نگاہ میں بے وزن اور حقیر ہے۔ عنقریب غیر مسلم قومیں تمہاری سرکوبی کیلئے ایک دوسرے کو بلائیں گی اور دھاوا بول دیں گی جس طرح بھوکے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں جب کہ مسلمان تعداد میں بہت زیادہ ہوں گے لیکن ان کی حیثیت سیلاب کے کوڑا کرکٹ اور جھاگ سے زیادہ نہیں ہوگی دشمن کے دل سے ہیبت اور رعب ختم ہوجائے گا کیونکہ مسلمان دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کرنے لگے گا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ آدمی بوڑھا ہوجاتا ہے لیکن اس کی دو خصلتیں جوان ہوتی جاتی ہیں ایک مال کی محبت اور حرص اور دوسری زیادہ عرصہ تک جینے کا لالچ۔ رسولؐ نے فرمایا جو شخص دنیا سے پیار کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو ضرور نقصان پہنچاتا ہے اور جو شخص آخرت سے محبت کرتا ہے وہ اپنی دنیا کو ضرور بگاڑتا ہے۔ لوگو! دائمی کو عارضی پر ترجیح دو (مشکوٰۃ) امیر المومنین سیدنا علیؓ نے فرمایا دنیا پیٹھ پھیر کر کوچ کر رہی ہے اور قیامت پابہ رکاب ہوکر سامنے آرہی ہے ان میں سے ہر ایک کی اولاد ہے۔ تم آخرت کے بیٹے بنو دنیا کے فرزند نہ بنو کیونکہ آج دنیا میں کام کرنے کی مہلت ہے اور کسی کا محاسبہ نہیں کل قیامت کے دن ہر شخص سے حساب لیا جائے گا اور کام کرنے کی مہلت نہ ہوگی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم فرمان مصطفیٰ کے آئینہ میں اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کا جائزہ لیں اور اپنی آنے والی زندگی کے انجام، کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں آل اولاد کی حقیقی بھلائی کو سامنے رکھ کر صحیح فیصلے کریں کیونکہ انسان سے اس کی رعیت یعنی اس کے بیوی بچوں کے بارے میں سوال کیا جانے والا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اور آخرت پر ایمان رکھنے والا انسان نہ صرف خود نار جہنم سے بچے بلکہ اپنے آل اولاد کو بھی دوزخ کی آگ سے بچائے۔

●●

دعوت

۲۸/مارچ ۲۰۰۹ء

کانگریس کا انتخابی منشور

کانگریس نے اپنا انتخابی منشور جاری کرتے ہوئے اس امر کو صاف کردیا ہے کہ پندرہویں لوک سبھا کی تشکیل کے لئے جو عام انتخاب ہورہا ہے اس میں کانگریس کی طرف سے وزارت عظمیٰ کے لئے ڈاکٹر منموہن سنگھ ہی امیدوار ہوں گے۔ پارٹی کی مرکزی صدر مسز سونیا گاندھی نے اپنی پارٹی کا انتخابی منشور جاری کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ ان کی پارٹی میں اس عہدے کے لئے اور بھی لوگ موجود ہیں مگر منموہن سنگھ ہی سب سے زیادہ موزوں امیدوار ہیں۔ ان کے پاس تجربہ بھی ہے اور پانچ سالہ کامیابیوں کا مضبوط سہارا بھی، گویا انھوں نے یہ بتا دیا کہ ان کی پارٹی میں لیڈر شپ کا فقدان نہیں ہے۔ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کی صلاحیت رکھنے والے دوسرے لوگ بھی موجود ہیں تاہم ان کی نظر میں اس کا سب سے زیادہ حق ڈاکٹر منموہن سنگھ ہی رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی پارٹی کا انتخابی منشور جاری کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے اپنے بارے میں پچھلے لوک سبھا انتخابات کے نتائج کے بعد جو اعلان کیا تھا اس پر وہ آج بھی قائم ہیں۔ اس کی پوزیشن میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا ہے۔ انھوں نے اس کا دعویٰ بھی کیا کہ کانگریس ہی ملک کی واحد سیاسی جماعت ہے جس کو ملک گیر سطح پر جانا پہچانا جاتا ہے اور جس کی زمین ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ اس کا سیاسی نقطۂ نظر ایسا نقطۂ نظر ہے جس میں قومی مفادات اور علاقائی امنگوں کو توازن کے ساتھ جگہ دی گئی ہے۔ نہ قومی مفادات کو نظر انداز کیا گیا یا ان کی اہمیت کو کم کیا گیا ہے اور نہ علاقائی امنگوں کو دبایا گیا ہے بلکہ دونوں کو مناسب جگہ دی گئی ہے۔ اس نے درمیانی راہ نکالی ہے۔ اس میں مذہبی رواداری پر زور دیا گیا ہے اور قومیت کا بھی جو تصور ہے وہ تنگ نظری پر مبنی نہیں ہے بلکہ روشن خیالی کا پہلو ابھرا ہوا ہے۔ کانگریس فرقہ واریت سے بہت دور ہے اور تنگ نظری کو مہلک سمجھتی ہے۔

اس موقع پر انھوں نے اپنی پارٹی اور دوسری جماعتوں میں فرق کو جہاں ابھارا وہیں اپنے سیاسی حریفوں اور مخالفین کو ہدف تنقید بھی بنایا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کی پارٹی نے جو وعدے کئے تھے ان پر کس حد تک عمل کیا اور آئندہ اس کے سامنے کیا اہداف ہیں، وہ کیا حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس منشور میں کچھ وعدے بھی کئے گئے ہیں جن میں نیشنل فوڈ سیکورٹی ایکٹ کو نافذ کرنا اور خواتین کے لئے ریزرویشن کا قانون بنانا اور اسے جلد از جلد روبہ عمل لانا شامل ہے۔ واضح رہے کہ نیشنل فوڈ سیکورٹی ایکٹ میں خط غربت سے نیچے کی حالت زندگی بسر کرنے والوں کو ہر ماہ پچیس کلوگرام چاول فراہم کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے اور وہ بھی تین روپے فی کلوگرام۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت ملک جن حالات سے گزر رہا ہے اس میں تبدیلی کی گنجائش کم ہے، وہ تسلسل کے متقاضی ہیں۔ استحکام کا تقاضا کرتے ہیں اور قومی سطح پر اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے ان کے مطابق یہ کانگریس ہی فراہم کرسکتی ہے۔ دوسری کسی جماعت بشمول بھارتیہ جنتا پارٹی میں اس کی صلاحیت نہیں ہے نہ ان سے اس کی امید رکھی جاسکتی ہے۔ جہاں تک ان کے دعوؤں کا سوال ہے تو ہر سیاسی لیڈر اور پارٹی صدر کی طرح انہیں بھی اس کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی پارٹی کے بارے میں خوشنما دعوے کریں۔ اپنی امیدواری پیش کریں، لیکن انھوں نے اور وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے اپنے بعض سابق اتحادیوں پر جس طرح حملے کئے ہیں اور انہیں نشانہ بنایا ہے اس کو صحت مند رجحان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مثلاً انھوں نے بائیں بازو محاذ پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ ملک کو آگے لے جانے اور ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ وہ پیچھے کی طرف ڈھکیلنے والا ہے۔ اسی طرح انھوں نے راشٹریہ جنتا دل اور سماجوادی پارٹی کے سلسلے میں جو باتیں کہیں اور ان کے تئیں جو رویہ اپنایا ہے وہ بھی تعمیری سیاست کو مستحکم بنیادوں پر آگے بڑھانے والا نہیں ہے۔

فلسطینیوں کے نظریاتی اختلافات کے خاتمے سے ہی مسائل حل ہوں گے

الفتح اور حماس کو پھر سے الیکشن اور متحدہ حکومت کی تشکیل کے لئے راضی کرتے وقت مکہ معاہدے کی ناکامی کے اسباب کو پیش نظر رکھنا ہوگا

سعودی عرب کی نگرانی میں ہونے والے مکہ معاہدے کی ناکامی کے بعد حال ہی میں مصر کی ثالثی میں فلسطینیوں کو متحد کرنے کی جو دوسری کوشش ہورہی ہے۔ پہلے مرحلے میں متحارب فلسطینی گروپوں کے درمیان ہونے والی بات چیت کا نتیجہ کافی مثبت رہا۔ اطلاعات کے مطابق متحارب فلسطینی گروپ ۲۱ ماہ کی کشیدگی کے بعد ۲۵/جنوری ۲۰۱۰ء تک صدارتی اور اسمبلی الیکشن کرانے پر راضی ہوگئے ہیں۔ تاہم نظریاتی اختلافات کے باعث الیکشن کے بعد مشترکہ حکومت بنانے کے مسئلے پر تعطل اب بھی برقرار ہے جس کے خاتمے کے بغیر انتخابات کی تیاری مشکل نظر آرہی ہے۔

اس سے قبل سعودی عرب نے اپنی نگرانی میں فلسطین کے دو سب سے بڑے متحارب گروپ الفتح اور حماس کے درمیان جو مکہ معاہدہ کرایا تھا اس کے کافی اچھے اثرات مرتب ہوئے تھے۔ فلسطین کی پارلیمنٹ میں واضح اکثریت رکھنے کے باوجود حماس متحدہ حکومت بنانے پر راضی ہوگئی اور متحدہ حکومت بن بھی گئی تھی۔ حماس حکومت کے بائیکاٹ کے باوجود امریکہ جزوی طور پر متحدہ حکومت سے رابطہ قائم کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ لیکن آپسی اختلافات، امریکہ اور اسرائیل کی ریشہ دوانیاں اور صدر محمود عباس کے ذاتی مفادات بھی نے مل کر متحدہ حکومت کو ختم کیا۔ فلسطین ہی عملی طور پر دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا۔ اسرائیل کے مقبوضہ علاقے مغربی کنارے میں صدر محمود عباس نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرکے سلام فیاض کی قیادت میں ایک نام نہاد حکومت قائم کردی جسے نہ صرف امریکہ، اسرائیل اور یورپ کی حمایت حاصل رہی بلکہ اس پر ان کی نوازشیں بھی رہیں۔ ان کے دباؤ میں پڑوسی عرب ملکوں نے بھی صدر محمود عباس کی غیر قانونی کارروائی اور ان کے ذریعے قائم کی گئی غیر اصولی حکومت ہی کو تسلیم کیا۔ دوسری طرف آزاد فلسطینی خطہ غزہ پٹی میں حماس نے اپنی حکومت قائم کرلی اور اسرائیل کے خلاف جدوجہد کی اپنی پالیسی پر قائم رہی۔ حماس حکومت کو کسی حمایت و منظوری حاصل ہونا تو دور اسے مسلسل اسرائیل پریشان کرتا رہا ہے۔ روز اول سے اس نے غزہ پٹی کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ پہلے جزوی طور پر تھی بعد میں مکمل ناکہ بندی کردی گئی۔ اس سے بھی اسرائیل کو تسکین نہیں ہوئی تو اس نے حماس حکومت کو بے یارو مددگار پاکر اس پر حملہ کردیا اور وہاں بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصان کے علاوہ خطے کو تباہ و برباد کردیا۔ غزہ کی تباہی کے بعد پڑوسی عرب ممالک ایک بار پھر حرکت میں آئے اور انھوں نے پھر سے الفتح اور حماس کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

اس وقت سوال صرف غزہ پر اسرائیل کی جارحیت کا نہیں ہے بلکہ فلسطین میں ایک زبردست قانونی بحران ہے۔ نہ تو مغربی کنارے کی عبوری حکومت قانونی طور پر صحیح ہے اور نہ غزہ کی حماس حکومت، اب صدر محمود عباس کی پوزیشن بھی کچھ اسی طرح ہونے والی ہے۔ ایسے حالات میں فلسطین میں پارلیمانی و صدارتی الیکشن وقت کا تقاضا ہی نہیں آئینی ضرورت ہے تاکہ بحران کو دور کیا جاسکے اور یہ الیکشن اسی وقت آئینی طور پر صحیح ہوگا جب وہ پورے فلسطین میں ہو۔ صدر محمود عباس مغربی کنارے میں جہاں ان کی نام نہاد حکومت ہے الیکشن تو کرا سکتے ہیں لیکن غزہ میں نہیں کیونکہ وہاں حماس کی حکومت ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر وہاں الیکشن ممکن ہی نہیں ہے۔ مصر نے جو کوششیں شروع کی ہیں ان کا مقصد قانون کے مطابق الیکشن کا انعقاد، پھر متحدہ حکومت کی تشکیل اور فلسطینیوں کو اپنے بنیادی کاز کے لئے متحد کرنا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ الیکشن کے انعقاد پر الفتح اور حماس کی رضامندی کے باوجود دونوں کے درمیان کئی اہم امور پر اتنے شدید اختلافات ہیں کہ مذکورہ رضامندی ان کے سامنے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ایک تو ان میں اس بات پر اختلاف ہے کہ اگر الیکشن ہوگیا تو اس کے بعد بننے والی متحدہ کابینہ کیسی ہوگی وہ سیاسی گروپوں پر مشتمل ہوگی یا غیر سیاسی ٹیکنوکریٹس پر، لیکن اس سے اہم اختلاف اس پر ہے جو ہمیشہ دونوں کے درمیان تنازع کا باعث بنا رہتا ہے کہ تنظیم آزادی فلسطین (پی ایل او) کی ساخت کیسی ہو اور اسرائیل کے تعلق سے پی ایل او اور متحدہ حکومت کی پالیسی کیسی ہونی چاہئے۔ حماس پی ایل او کی تشکیل اور اس پر سے الفتح کی اجارہ داری کا خاتمہ چاہتی ہے۔ اس کی بعض پالیسیوں میں بھی جو حالات سے سمجھوتے کرکے یا امریکہ اور اسرائیل کے دباؤ میں بنائی گئی ہیں، ترمیم چاہتی ہے۔ جبکہ الفتح پی ایل او پر اپنا کنٹرول ختم کرنے اور اسرائیل کے تعلق سے اس کی پالیسیوں میں ترمیم کے لئے تیار نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حماس حکومت کی برطرفی کے بعد صدر عباس نے حکومت کے ایجنڈے سے فلسطین کی آزادی کے لئے اسرائیل کے خلاف جدوجہد کو نکال دیا تھا اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح الفتح نے اسرائیل کو منظوری دے دی ہے اور اس کے ساتھ بات چیت کی حمایت کرتی ہے۔ حماس بھی ایسا ہی کرے جبکہ حماس اب بھی اپنی اس پرانی پالیسی پر قائم ہے کہ اسرائیل ایک ناجائز اور غیر قانونی ریاست ہے اسے وہ کبھی تسلیم نہیں کرے گی البتہ وہ اس کے ساتھ جنگ بندی پر غور کرسکتی ہے۔ وہ آگے بھی اسرائیل کے خلاف جدوجہد کی پالیسی جاری رکھے گی۔ غرضیکہ حماس اور الفتح کی پالیسی خصوصاً پی ایل او اور اسرائیل کے تعلق سے پالیسی میں جو شدید اختلافات ہیں وہ جب تک دور نہیں ہوں گے ان کو متحد رکھنا بہت مشکل ہے۔ اگر عارضی طور پر وہ اتحاد کیلئے تیار بھی ہوجاتے ہیں تو ٹکراؤ اور اختلافات پھر انہیں دور کردیں گے۔ مکہ معاہدے کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ اس لئے انہیں متحد کرنے کے لئے کوئی بھی بات چیت ان کے نظریاتی اختلافات کو سامنے رکھ کر کی جانی چاہئے تبھی ان کا اتحاد پائیدار اور بامعنی ہوسکتا ہے اور یہ کام صرف پڑوسی عرب ممالک ہی اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کرکے کرسکتے ہیں۔ ورنہ امریکہ، یورپ اور اسرائیل تو یہی چاہتے ہیں کہ فلسطینی آپس میں لڑتے رہیں۔ ان کی توانائی اسی میں برباد ہوتی رہے۔ فلسطین کی آزادی کے لئے وہ کچھ نہ کرسکیں اور نہ کچھ کرنے کی حالت میں رہیں۔

●●

کیا ایران۔امریکہ تعلقات بحال ہونگے؟

محمد احمد کاظمی

جشن نوروز کے موقع پر امریکہ کے صدر بارک حسین اوبامہ نے ایران کے عوام اور حکمراں طبقے کو مبارک باد کا پیغام دیا ہے اور اپنی حکومت کی جانب سے ایران اور امریکہ کے درمیان تمام مسائل کو بات چیت کے ذریعہ حل کے لئے کوشش کرنے کا اعادہ کیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ ایران کے عوام اور رہنماؤں سے براہ راست بات کرنے کے خواہشمند ہیں۔

اس پر ایران کے اسلامی انقلاب کے رہنما آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے کہا ہے کہ امریکی صدر کی جانب سے ایران کے ساتھ بہتر تعلقات کی پیشکش محض نعرہ ہے۔ البتہ انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ اگر امریکی پالیسیوں میں حقیقی تبدیلی رونما ہوتی ہے تو تہران اس کا مثبت جواب دے گا۔ انھوں نے ۱۹۷۹ء میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد سے اب تک امریکہ کی ایران کے تئیں دشمنانہ پالیسیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ نفرت آمیز ملک ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ دوسرے ممالک کے اندر مداخلت کی پالیسی کو ترک کردے۔

صدر اوباما کے پیغام کی ویڈیو ٹیپ فارسی ترجمہ کے ساتھ امریکہ اور خلیج فارس کے خطے کے مختلف ٹیلی ویژن چینلوں کے ذریعہ نشر کی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کی انتظامیہ کا تہیہ ہے کہ امریکہ، ایران اور دنیا کے درمیان مثبت روابط قائم ہوں۔ البتہ انھوں نے خبردار کیا کہ امن کا یہ عمل دھمکیوں سے آگے نہیں بڑھے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ رابطے دیانتداری اور باہمی احترام پر مبنی ہوں۔ اوبامہ کا کہنا تھا کہ امریکہ چاہتا ہے کہ ایران کو عالمی برادری میں اپنا جائز مقام حاصل ہو۔ ایران کو یہ حق حاصل ہے لیکن یہ حق ذمہ داریوں کے بغیر نہیں ملے گا۔ واضح ہو کہ بارک حسین اوبامہ کا ایران کو دیا گیا یہ پیغام 1979 میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد 30 برسوں کی مدت میں امریکہ کی جانب سے پہلا دوستی کا پیغام ہے۔ صدر اوباما نے یہ اعتراف کیا ہے کہ پرانی رنجش بھلانا اتنا آسان نہیں ہے۔ سابق صدر بش ایران کو برائی کا محور قرار دیتے رہے تھے۔ انھوں نے عراق میں 2003 میں صدام حکومت کے خاتمے کے بعد ایران کے خلاف ایٹمی پروگرام کے بہانے جنگ کی دھمکیاں دیں لیکن ایران کے صدر احمدی نژاد اس سے متاثر ہوئے بغیر یہ کہتے رہے کہ امریکہ ایران پر حملہ نہیں کرسکتا کیونکہ اس کی قوت خاتمے کی طرف گامزن ہے۔ جس وقت صدر جارج ڈبلیو بش حکومت سے سبکدوش ہوئے ہیں اس وقت تک امریکہ میں اقتصادی بحران شروع ہوچکا تھا اور اب نومنتخب صدر بارک حسین اوباما کے لئے مالی بحران سے ملک کو باہر نکالنا ایک بڑا چیلنج ہے۔ بارک اوبامہ کے پیغام کی حقیقت سمجھنے کے لئے اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ صدر اوبامہ نے جن اہم نکات پر زور دیا ہے ان میں ایران کے ساتھ براہ راست بات کرنے کی خواہش، سفارتی تعلقات کا قیام، ایران کو عالمی برادری میں باعزت مقام دینے کی پیشکش لیکن اس کے ساتھ "ایران کو یہ حق بغیر ذمہ داریوں کے نہ ملنے کی دھمکی" بھی شامل ہے۔ انقلاب کی کامیابی سے اب تک ایران کا امریکہ سے تعلقات کے سلسلے میں ایک ہی موقف رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ امریکہ کے ساتھ تعلقات برابری کی بنیاد پر قائم کرسکتا ہے لیکن اگر امریکہ "سپر پاور" کی ذہنیت کے ساتھ ایران سے تعلقات چاہے گا تو وہ ممکن نہیں ہے۔ میں نے گزشتہ بیس برسوں میں ایران کے متعدد سفر کئے ہیں۔ اس موضوع پر ایرانی حکام کا نظریہ پوری طرح سے واضح ہے۔ عراق میں صدام حکومت کے خاتمے کے بعد ایران کے خلاف پیدا کئے گئے دباؤ کے دوران بھی ایران اپنے موقف میں ثابت قدم رہا۔ اس نے اپنا ایٹمی انرجی پروگرام بھی جاری رکھا اور بین الاقوامی سطح پر مثبت سفارتی کوشش بھی کی۔ اس دوران امریکہ نے اپنے دوست ممالک کی مدد سے اقوام متحدہ میں ایران مخالف قراردادیں پاس کراتے ہوئے اس کے خلاف اقتصادی پابندیاں تیز کردیں۔ ان کے باوجود ایران کے حکمراں یہ کہتے رہے کہ امریکہ کی طاقت زوال کی جانب رواں دواں ہے اور اس کی دھمکیوں سے پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔

ایران میں عام طور سے صدر بش کے زمانے میں یہ بات اکثر سنی جاتی تھی کہ آیت اللہ روح اللہ موسوی خمینی نے کسی موقع پر کہا تھا کہ جس دن بھی ایران کے امریکہ سے تعلقات بحال ہوں گے اس کے ساتھ ہی اسلامی انقلاب کمزور ہونا شروع ہوجائے گا۔

ایران کی راجدھانی تہران میں ماہرین کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ امریکہ ایران سے سفارتی تعلقات جلد بحال کرنے کا اس لئے خواہشمند ہے تاکہ وہ اپنے سفارتی عملے کی تہران میں موجودگی کے ذریعہ حکومت مخالف عناصر کو مدد آسانی پہنچا سکے۔ چند ماہ قبل جاسوسی کے الزام میں گرفتار ایک ایرانی شہری نے ایران میں اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد اور امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کی سازشوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ ملک کے اندر سے حساس معلومات باہر ارسال کرنے کے لئے مدد کرنے کی غرض سے اسے 20 ہزار ڈالر دیے گئے تھے۔ واضح رہے کہ 1979 میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے موقع پر انقلابی طلبا نے 52 امریکی سفار تکاروں کو یرغمال بنالیا تھا جنہیں 444 دنوں تک اپنی قید میں رکھا تھا۔ اس وقت تہران میں امریکی سفارتخانے سے جاسوسی کے ثبوت کے طور پر بڑی تعداد میں ایران کی داخلی اور دفاعی اطلاعات موصول ہوئی تھیں جنہیں ایرانی حکومت نے بعد میں کتابی شکل میں شائع بھی کیا تھا۔

موجودہ حالات میں جبکہ ایران میں صدارتی انتخابات کی تیاری جاری ہے، امریکہ کے صدر بارک حسین اوبامہ کا پیغام کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اب سے پہلے ایرانی عوام نے کئی بار یہ ظاہر کردیا ہے کہ جب بھی امریکہ نے ایران کے داخلی نظام میں کسی قسم کی دخل اندازی کی ہے اسے مسترد کیا گیا ہے۔ ایران کے گزشتہ صدارتی انتخابات میں امریکہ اور یورپ نے صدارتی عہدے کے امیدوار ہاشمی رفسنجانی کی حمایت کی تھی۔ انہیں امریکہ جدید نظریات کی بنیاد پر حمایت کر رہا تھا۔ ایرانی عوام نے ہاشمی رفسنجانی کے مقابلے محمود احمدی نژاد کو ترجیح دے کر امریکہ مخالف جذبات ظاہر کردیے۔ ایران میں جہاں آج بھی بڑی اکثریت اسلامی انقلاب کی حمایت کرتی ہے امریکی صدر کے پیغام کے بعد وہاں کی خارجہ پالیسی میں کسی قسم کی بڑی تبدیلی کی توقع کرنا مناسب نہیں ہے۔ ابھی فوری طور پر جب کہ ایران صدارتی انتخابات کے مرحلے میں ہے ایران کی جانب سے کوئی بڑا فیصلہ ہونے کی توقع نہیں ہے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کی بنیاد میں اسرائیل کی مدد کی بنا پر امریکہ سے نفرت کافی اہم عنصر رہی ہے۔ اب اسے ختم کرنا ایرانی حکام کے لئے بھی آسان نہیں ہوگا۔ ان حالات میں جب تک امریکہ اپنی تمام غلطیوں کو تسلیم کرتے ہوئے امریکہ میں ایرانی منجمد اثاثوں کو واپس کرنے، اس کے خلاف تمام پابندیوں کو ختم کرنے اور داخلی مداخلت نہ کرنے کا اعلان نہیں کرتا تب تک ایران میں کوئی بھی حکومت امریکہ سے دوستی نہیں کرسکے گی۔ (میڈیا اسٹار)

اوباما کے پہلے دورۂ یورپ سے وابستہ توقعات

محمد عاطف (واشنگٹن ڈی سی)

صدر بننے کے بعد بارک اوباما کے پہلے یورپی دورے میں اہم ترین پہلو عالمی معیشت اور افغانستان کے حل کے لئے نئی راہوں کی تلاش ہوں گے۔ صدر بارک اوباما ۳۱/مارچ کو یورپ کے دورے پر روانہ ہوں گے جہاں پہلے وہ لندن میں عالمی معاشی بحران سے نمٹنے کے لئے ایک میٹنگ میں شریک ہوں گے اور اس کے بعد فرانس اور جرمنی میں ناٹو اتحادیوں کی میٹنگوں میں شرکت کریں گے۔

اپنی صدارتی مہم کے دوران بارک اوباما نے برلن میں بہت بڑے جلسے سے خطاب کیا تھا جس میں انھوں نے یورپ کے ساتھ مضبوط تعلقات کی اہمیت پر زور دیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ امریکہ اور یورپ کے درمیان اختلافات رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مستقبل میں بھی اختلاف ہوگا۔ مگر عالمی منظرنامہ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر رکھے گا۔ اس دورے میں یورپ یہ جائزہ لے گا کہ کیا صدر اوباما اپنے الفاظ کو حقیقت کا روپ دیں گے۔ سینٹر فار اسٹریٹجک اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز کے ایک ماہر ریجنالڈ ڈیل کہتے ہیں کہ صدر اوباما کے لئے یہ پہلا موقع ہے کہ وہ خود کو عالمی لیڈر کے طور پر پیش کریں، نہ کہ صرف اس کی بات کریں۔ اپنے اس دورے میں صدر اوباما پہلی بار جی بیس ممالک کی کانفرنس میں بھی شریک ہوں گے۔ ڈیل کہتے ہیں کہ ہر کوئی امریکہ کی طرف دیکھ رہا ہے کہ وہ کچھ کرے۔ معاشی بحران سب کے لئے مشکلات پیدا کررہا ہے۔ سابق صدر جارج ڈبلیو بش کے مقابلے میں صدر اوباما یورپ میں زیادہ مقبول ہیں۔ امریکہ میں جنرل مارشل فنڈ کے فارن پالیسی ڈائریکٹر جان کے گلین کہتے ہیں کہ صدر اوباما اپنی سیاسی ساکھ کو استعمال کرسکتے ہیں۔ ناٹو کانفرنس میں افغانستان کی جنگ کے لئے مزید مدد حاصل کرنا، صدر اوباما کے ایجنڈے میں سرفہرست ہوگا۔ ماضی کے تجربات کے باوجود اس موضوع پر یورپ صدر اوباما کا ساتھ دے گا۔ بروکنگز انسٹی ٹیوشن کے اسٹیون پائفر کہتے ہیں کہ ناٹو اجلاس کے لئے سفارشات تیار کرتے ہوئے اوباما انتظامیہ شاید یورپ کے تحفظات کو پیش نظر رکھے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر صدر اوباما اپنا پلان پیش کرتے ہوئے یہ کہیں کہ ہم نے آپ کے تحفظات کو پیش نظر رکھا ہے اور پھر وہ بات کرنے کے علاوہ انہیں سنیں بھی تو میرے خیال میں اس بات کے امکانات زیادہ ہوں گے کہ اتحادی رہنما امریکہ کے پلان کو منظور کرلیں۔ نائب صدر جوزف بائڈن اور سکریٹری آف اسٹیٹ ہلیری کلنٹن پہلے ہی یورپ کا دورہ کرچکے ہیں۔ جان گیلن کے مطابق نئی انتظامیہ کی حکمت عملی میں کہنا اور سننا دونوں شامل ہیں۔ ناٹو اجلاس کے بعد وہ چیک ری پبلک جائیں گے۔ ترکی ان کا آخری اسٹاپ ہوگا۔ یہ خبریں بھی آرہی ہیں کہ وہ استنبول میں مسلم دنیا سے خطاب بھی کریں گے جس کا کافی عرصے سے انتظار ہے۔ ●●

امریکہ میں بیروزگاری سے نفسیاتی مسائل بڑھ رہے ہیں

جمیل اختر

معاشی بحران کے باعث امریکہ میں لاکھوں افراد بیروزگار ہوچکے ہیں اور ہر آنے والے دن میں ان کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ امریکی لیبر ڈپارٹمنٹ نے اس ہفتے جاری ہونے والی اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ بیروزگاری الاؤنس وصول کرنے والوں کی تعداد اپنی ریکارڈ سطح پر پہنچ گئی ہے۔ ذہنی صحت سے متعلق تنظیموں کا کہنا ہے کہ بیروزگاری سے نفسیاتی مسائل میں اضافہ ہوا ہے۔ چند ماہ پہلے کی بات ہے کہ جنوبی کیلیفورنیا میں پولیس کو ایک گھر سے ایک شادی شدہ جوڑے، ان کے تین بچوں اور ساس کی نعشیں ملیں۔ خاوند نے اپنے رقعے میں کہا تھا کہ نوکری جاتے رہنے سے اس کے لئے زندگی کی ضروریات پوری کرنا مشکل ہوگیا تھا اس لئے اس نے اجتماعی خودکشی کا فیصلہ کیا۔ حالات سے مجبور ہوکر خودکشی کے بارے میں سوچنے والے ایسے افراد ہوتے ہیں جو اپنے اندر مقابلے کی ہمت نہیں پاتے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ معاشی بحران کے نتیجے میں بیروزگاری کی موجودہ لہر نے بے شمار لوگوں کو مختلف طرح کی نفسیاتی الجھنوں اور مسائل میں مبتلا کردیا ہے اور روز بروز روزگار کی بگڑتی ہوئی صورتحال نفسیاتی امراض میں اضافہ کر رہی ہے۔ ڈاکٹر ڈوری لین ایک ماہر نفسیات ہیں۔ انہیں روزانہ کئی ایسے مریضوں کو دیکھنا پڑتا ہے جو بیروزگاری کے ہاتھوں پریشان ہوتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ لوگ ملازمت چلے جانے اور روزگار کے مواقع بہت محدود ہونے کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ یہ پریشانی انہیں نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا کررہی ہے۔ جون روتھن برگ کئی برس تک افغانستان میں امدادی سرگرمیوں کے ایک ادارے سے منسلک رہے ہیں۔ وہ گزشتہ سال اکتوبر میں واشنگٹن واپس لوٹے اور بہت سی جگہوں پر درخواستیں دینے کے باوجود وہ ابھی تک بیروزگار ہیں۔

فکر معاصر

سیاسی کردار کا زوال

ملک میں جمہوری نظام لانے کی کوشش کرنے والوں اور پھر اس میں کامیاب ہونے والوں نے کبھی خواب میں بھی یہ نہیں سوچا ہوگا کہ جمہوریت کے نام پر ہندوستان جیسے ملک میں آنے والے برسوں میں سیاسی کردار کا سب سے زیادہ زوال ہوگا۔ یوں تو جمہوری نظام میں سب کو ووٹ دینے کا حق ہے، سب کو الیکشن لڑنے کا حق ہے سب کو سیاست میں حصہ لینے کا حق ہے لیکن اس کے باوجود ایک زمرہ بندی تھی۔ خاص طور پر وہ طبقے جو ثقافتی اور تہذیبی اور فنون لطیفہ سے تعلق رکھتے تھے وہ سیاست میں حصہ نہیں لیتے تھے کیونکہ ان کا اپنا میدان ہوتا تھا اور اسی میدان میں وہ مقبول ہوتے تھے لوگ انہیں پسند کرتے تھے۔ جو سیاسی شخصیتیں ہوتی تھیں ان کا سیاسی کردار ہوتا تھا ان کو سیاستداں مانا جاتا تھا جو فلمی صنعت سے وابستہ ہوتے تھے اور بہترین اداکار مانے جاتے تھے یا فنون لطیفہ کی دوسری چیزوں سے وابستہ لوگ اپنے اپنے فن میں ماہر مانے جاتے تھے۔ مختلف قسم کے کھیلوں میں نمایاں شہرت حاصل کرنے والے لوگ اپنے فن اور اپنے میدان کے ماہر ہوا کرتے تھے جب الیکشن آتا تھا تو وہ جس پارٹی کو مناسب سمجھتے تھے اس کو ووٹ دیتے تھے۔ اس پر کوئی قید و بند نہیں تھی۔ لیکن آزادی کے کچھ ہی برسوں تک یہ سب کچھ چلتا رہا پھر یہ ہوا کہ جرائم پیشہ عناصر اور مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے سیاست میں گھسنے لگے اور اس شعبے شفاف گندا کرنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اس سے سیاسی کردار زوال پذیر ہوتا گیا اور آج نوبت یہ ہے کہ سیاسی پارٹیاں فلم اداکاروں کو، کرکٹ کھلاڑیوں کو، یہاں تک کہ خواجہ سراؤں کو بھی سیاست میں لانے کی کوشش کررہی ہیں تاکہ عوام ان کی طرف ملتفت ہوں اور انہیں ووٹ دیں، صاف ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ سیاسی کردار کے زوال کی بنا پر ہوا ہے۔ جمہوریت میں ذرائع ابلاغ کو میڈیا کی اہمیت ہوتی ہے لیکن میڈیا نے اتنا منفی کردار ادا کیا ہے یا کرتی ہے وہ قطعی جمہوریت کے حق میں نہیں ہے۔ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا اس جمہوری دور میں سب کے دامن پر کہیں نہ کہیں کیچڑ لگا ہوا ہے، چنانچہ اس افراتفری کے عالم میں عوام نے بھی اپنا مزاج ویسا ہی بنا رکھا ہے۔ وہی عوام جو کل تک سیاسی زمرے میں عام لوگوں کو شامل نہیں کرتے تھے دوسرے میدانوں کے ماہرین کو وہ سیاست کی میزان میں نہیں رکھتے تھے۔ سیاسی لیڈروں کو اہمیت دیتے تھے آج وہی فلم اداکاروں، کرکٹ کھلاڑیوں اور گانے والوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ اس کا ایک اہم ترین پہلو یہ بھی ہے کہ گزشتہ ۶۵ برسوں میں تہذیبی سطح پر یہ المیہ بھی نمودار ہوا ہے کہ جو چیز پہلے بری، قبیح اور منفی سمجھی جاتی تھی آج وہ تہذیب کا ایک حصہ بن چکی ہے آج وہ تہذیب کا معیار بن چکی ہے اور جو چیز پہلے اچھی سمجھی جاتی تھیں جن قدروں کا لوگ احترام کرتے تھے اب وہ قدریں دقیانوسی، سڑی ہوئی تعفن آمیز سمجھی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ انسانی نسل عروج کی طرف جارہی ہے یا زوال سے ہمکنار ہورہی ہے کیونکہ جسے عروج سمجھا جاتا تھا آج اسے زوال سمجھا جاتا ہے۔ یہ اثرات زندگی کے تمام شعبوں پر پڑے ہیں۔ سیاست اور مذہب بھی اس سے بچ نہیں سکا ہے اس کے دامن پر بھی آنچ آئی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آنچ بڑھتے بڑھتے ایک بھڑکتی ہوئی آگ کی شکل اختیار کرے۔ اگر ایسی صورت ہوئی تو یقیناً انسانی نسل کا یہ بہت بڑا المیہ ہوگا اور اس کرہ ارض پر پھیلی ہوئی یہ انسانی نسل ایک ایسی اخلاقی زوال اور پستی سے ہمکنار ہوگی کہ صدیوں تک اس کا مداوا تلاش کرنا بہت مشکل ہوگا۔ لیکن سمجھانے کے لئے جو وسائل ہوتے تھے وہ بھی اب ازکار رفتہ مانے جاتے ہیں اس لئے سمجھانے کا کیا طریقہ چاہئے یہ اہم سوال ہے۔

(انوارقوم، کانپور)

ایران امریکہ تعلقات میں تبدیلی کے اسباب

اکرام الحق

انقلاب ایران کے بعد سے ایران امریکہ تعلقات میں جو تعطل پیدا ہوا وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مکمل دوری پر منتج ہوا۔ صدر بش نے اس جلتی پر تیل ڈالا اور بات حد سے بڑھ گئی۔ اس کی وجہ صدر بش کی جارحانہ خارجہ پالیسی تھی جس کے تحت کسی بھی ملک کا امریکہ کی مرضی کے بغیر کام بش کے لئے قابل قبول نہیں تھا۔ جب کہ ایران انقلاب کے بعد سے ہی امریکی مداخلت کو رد کرچکا تھا۔ صدر بش نے ایران مخالفت میں یہاں تک کہہ دیا کہ ایران برائی کا محور ہے۔

اس اثنا میں ایران کے صدارتی الیکشن کا زمانہ آ گیا۔ احمدی نژاد نے انتخابات میں حصہ لیا اور جیت گئے اور جیتتے کیوں نہ۔ ایرانی عوام کا جذبہ قومیت ایسے صدر کا مطالبہ کررہا تھا جو امریکہ کو اس کی اوقات دکھا سکے۔ احمدی نژاد اس حوالے سے آئیڈیل تھے سو جیت گئے۔ پھر کیا تھا۔ دونوں جانب سے مقابلے کے بیانات کا تبادلہ ہوتا رہا اور کشیدگی بعض حالات میں اتنی بڑھی کہ جنگ ہوتے ہوتے بچی۔ امریکہ نے ایران کو دبانے اور پابندیوں سے ڈرانے کی بھرپور کوشش کی لیکن ایران نے جھکنے سے انکار کردیا۔

اس طرح دوریاں بڑھتی گئیں اور خطہ خطرے سے دوچار رہا۔ لیکن صدر بارک حسین اوبامہ کے انتخاب سے لوگوں میں یہ توقع تھی کہ اب یہ کشیدگی ختم ہوگی لیکن ان کی جانب سے بھی اچھی ابتداء دیکھنے میں نہیں آئی۔ کیونکہ جب محمود احمدی نژاد کی طرف سے مبارکباد کا خط گیا تو اس کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

لیکن اب حالات میں ایک دم تبدیلی آرہی ہے۔ ایرانی عہدے داروں سے امریکیوں کی ملاقاتیں اب پرانی بات ہوچکی ہے۔ اب بارک اوبامہ نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے جشن نوروز کے موقع پر ایرانی عوام کے نام ایک ویڈیو پیغام بھیجا ہے۔ موسم بہار واقعی تبدیلی کا مظہر ثابت ہوا ہے۔ صدر اوبامہ نے اپنے پیغام میں کہا ہے کہ میری پوری کوشش ہوگی کہ تمام مسائل کو بات چیت سے حل کیا جائے۔ مزید یہ کہ ایران کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے عالمی برادری میں جائز مقام حاصل ہو، لیکن یہ کام ذمہ داریوں کے بغیر نہیں ہوگا۔

دوسری جانب ایران نے بھی اس پیغام کا خیر مقدم کیا ہے۔ لیکن متنبہ کیا ہے کہ اس کے لئے امریکہ کو اپنی پرانی غلطیوں کا اعتراف کرکے انہیں درست کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔

یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ دونوں ممالک میں تعلقات میں بہتری آئے تاکہ خطے سے کشیدگی ختم ہو اور عالمی بحرانوں پر مل جل کر قابو پایا جائے۔ لیکن اس کے لئے فریقین کو اخلاص کے ساتھ ساتھ قربانی کے جذبے کو بھی استعمال کرنا ہوگا۔ کیوں کہ بات چیت اور مذاکرات کچھ لو کچھ دو کے فارمولے پر عمل کئے بغیر بے سود رہتے ہیں۔ اور اگر کوئی اس فارمولے پر عمل کئے بغیر اچھے نتائج کی امید رکھتا ہے تو وہ یقیناً احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔

لیکن اس موقع پر قابل غور بات یہ ہے کہ آخر امریکہ کو اچانک ایران کے ساتھ اچھے تعلقات بنانے کا خیال کیسے آ گیا؟ اس کے پیچھے کیا سیاسی اور دیگر مقاصد پوشیدہ ہیں؟ کیوں امریکہ اپنی تمام تر رعونت وتکبر کے باوجود پہل کررہا ہے؟ ان سوالات کا جواب دینے کے لئے ہمیں امریکہ کے حالات کا جائزہ لینا ہوگا۔

امریکہ نے اقتصادی اور عسکری طاقت کے بل بوتے پر دنیا کو تسخیر کرنے کا منصوبہ بنایا، اور پھر اس کی تکمیل کے لئے بدمست ہاتھی کی طرح ہر اس کمزور ملک پر ٹوٹ پڑا جس نے اس کے انا ربکم الاعلیٰ کے نعرے کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا، یا جس نے اپنے ملکی یا ملی مفادات کی خاطر امریکی مفادات کو چیلنج کردیا۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام سے اپنے حریفوں کو ختم کرنے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کردیا گیا۔ یہ تعین کئے بغیر کہ دہشت گرد کون ہے؟ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جس نے بات ماننے سے انکار کیا اسے دہشت گرد کہہ کر اس کا گلا دبا دیا گیا۔ لیکن آخر کب تک؟ اسی دہشتگردی کے خاتمے کے لئے امریکہ نے افغانستان اور عراق پر چڑھائی کردی جو کہ امریکہ کی آخری جارحیت ثابت ہوئی۔

اس دلدل میں امریکہ پھنستا چلا گیا، جب احساس ہوا تو گلے تک دھنس چکا تھا، باعزت واپسی کی تمام راہیں مسدود ہوچکی تھیں۔ صدر جارج ڈبلیو بش نے تکبر و نخوت میں ہار ماننے سے انکار کردیا اور جیسے تیسے اپنا وقت پورا کرکے نئے آنے والے صدر کے لئے سارے مسائل چھوڑ کر وائٹ ہاؤس خالی کردیا۔ جنگیں بچوں کا کھیل نہیں۔ جہاں انسانی جانوں کا ضیاع ہوتا ہے وہیں ملکی وسائل بھی بے تحاشا خرچ ہوتے ہیں، ایک وقت میں مختلف محاذوں پر لڑنے کے لئے جو وسائل درکار تھے انہیں حاصل کرنے کے لئے مشرق وسطیٰ کے وسائل سمیٹے گئے لیکن پھر بھی امریکی بینک دیوالیہ ہونے سے نہیں بچ سکے۔

امریکی معیشت حالت نزع میں پہنچی تو ارباب اقتدار کو ہوش آیا۔ نئے منتخب ہونے والے صدر اوبامہ تبدیلی کے وعدے کے ساتھ کرسی صدارت پر براجمان ہوئے تھے۔ لہٰذا ایسے اقدامات کرنا ناگزیر ہوگئے جن سے نہ صرف اندرونی بلکہ بیرونی تبدیلی بھی محسوس ہو۔ اسی ضمن میں عراق سے انخلاء کا فیصلہ کیا گیا اور ۲۰۱۰ء تک عراق کا انتظام مقامی انتظامیہ کے حوالے کرنے کا عندیہ دے دیا گیا۔ لیکن افغانستان سے واپسی ظاہری شکست ہے جسے تسلیم کرنے کے لئے امریکہ تیار نہیں اور وہاں رہنا نقصان سے خالی نہیں۔ لہٰذا اب اس خطے کے لئے ایسی پالیسی امریکہ کی ضرورت ہے جس سے افغانستان کے مسئلے کو باندازِ احسن حل کرکے چھٹکارا حاصل کیا جائے تاکہ دوہری ہزیمت سے بچا جاسکے۔

اس ضمن میں امریکی ماہرین اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ افغانستان کے پڑوسی ممالک سے اچھے تعلقات بنائے بغیر اس مسئلے کا حل ممکن نہیں۔ اس لئے ایران سے پیار کی پینگیں بڑھانے کا عمل شروع کردیا گیا ہے۔

دوسری جانب مشرق وسطیٰ کے حوالے سے امریکی پالیسی تبدیلی کرنے کے لئے اوبامہ انتظامیہ نے پہلے دن سے ہی کوششیں شروع کردی تھیں۔ کیونکہ ان ممالک کے داخلی معاملات میں امریکہ کی بے جا مداخلت اور اسرائیل کے تمام ناجائز اقدامات کی غیر مشروط حمایت نے امریکہ کے وقار کو مجروح کیا ہے۔ اپنے کھوئے ہوئے اعتماد کو بحال کرنے کے لئے پالیسی میں تبدیلی ناگزیر ہے اور خطے میں ایران کی اہمیت مسلم ہے، اس لئے بھی ایران سے اچھے تعلقات امریکہ کے مفاد میں ہیں۔

یاد رہے کہ اس سے پہلے مشرق وسطیٰ میں امریکہ کبھی شیعہ سنی اور کبھی عرب غیر عرب طرز کے نعروں کو ہوا دے کر ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ کی پالیسی پر عمل پیرا تھا۔ لیکن اب یہ پالیسی ناکام ہوچکی ہے۔ کیونکہ غزہ پر اسرائیلی جارحیت اور امریکہ کی حمایت نے خلیجی ممالک کے عوام میں امریکہ کے خلاف نفرت پیدا کردی ہے۔ اب حکام کھلے عام امریکی مفادات کا تحفظ نہیں کرسکتے۔ جب کہ ایران نے اس جنگ میں بے شمار ہمدردیاں حاصل کرلی ہیں۔ اس لئے اب دیگر ممالک کے بجائے ایران امریکہ کے فائدے میں ہے۔

ان عوامل کے پیش نظر امریکہ کے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ ایران کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کرے تاکہ اپنے مفادات کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو بھی سنبھالا دے سکے۔

ایک بات جو یہاں محسوس کی جاسکتی ہے وہ یہ کہ امریکہ اگرچہ یہ سارے اقدامات عالمی امن قائم کرنے اور اقتصادی بحران پر قابو پانے کے نام پر کررہا ہے لیکن درحقیقت وہ اپنے مفادات کے حصول کے لئے کوشاں ہے۔ ●●

اقتصادی بحران اچانک پیدا نہیں ہوا

عباس مہکری

عالمی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کا کہنا ہے کہ گزشتہ ۶۰ برسوں میں عالمی معیشت کے لئے یہ بدترین دن ہیں اور دوسری جنگ عظیم کے بعد پہلی مرتبہ ۲۰۰۹ء میں عالمی معیشت مجموعی طور پر ایک فیصد تک سکڑ جائے گی۔ آئی ایم ایف کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق ترقی یافتہ معیشتوں کو ۲۰۰۹ء میں سب سے زیادہ مندی کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان کا حجم تین سے ساڑھے تین فیصد تک کم ہوسکتا ہے۔ ان میں گروپ آف سیون (جی-۷) کو صنعتی ممالک برطانیہ، کینیڈا، فرانس، جرمنی، اٹلی، جاپان اور امریکہ بھی شامل ہیں۔ رپورٹ میں اس بات کا امکان ظاہر کیا گیا ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی معیشت امریکہ کو سالانہ ۲۶ فیصد کی شرح سے اور دوسری بڑی معیشت جاپان کو ۵۸ فیصد کی شرح سے اپنے حجم میں سکڑاؤ (Coniracion) کا سامنا ہوسکتا ہے۔ جب کہ یوروزون کے ۱۶ ممالک میں یہ شرح ۳۲ فیصد ہوسکتی ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ۲۰۰۰ء میں عالمی معیشت معمولی طور پر ۱۵ فیصد سے ۲۵ فیصد تک کی شرح نمو سے بحال ہوسکتی ہے تاہم اس کی زوال پذیری کے خطرات نمایاں رہیں گے۔ یہ صورت حال بہت پریشان کن ہے۔ کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تقریباً تین عشرے قبل عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے حامیوں نے اشتراکی نظام کو ناکام قرار دے کر اس پر اپنی فتح کا اعلان کیا تھا اور امریکہ نے عالمی سامراجی قائد کے طور پر ایک نیا ورلڈ آرڈر متعارف کرایا۔ انتہائی فخر کے ساتھ فتح و کامرانی کا اعلان کرنے والوں نے تاریخ کے انتہائی مختصر عرصے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ یہی عالمی سرمایہ دارانہ نظام کس قدر خوناک اقتصادی بحران کا سبب بن گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے خود امریکہ کے باشندوں کی بڑی اکثریت مکانات اور اسٹاکس میں اپنی ساری دولت ضائع کربیٹھی۔ ایک سروے کے مطابق تقریباً نصف امریکی باشندے اس بات سے پریشان ہیں کہ وہ اپنے روزگار سے ہاتھ دھوبیٹھیں گے۔ ان کی اُجرتیں مسلسل کم ہورہی ہیں اور صرف فروری کے مہینے میں چھ لاکھ ۵۱ ہزار چالیس ملازمتیں امریکہ میں ختم ہوگئیں اور وہاں بیروزگاری کی شرح ۸۱ فیصد تک پہنچ گئی ہے بڑے بڑے بینک دیوالیہ ہوچکے ہیں۔ جنہیں بچانے کے لئے امریکی حکومت کو ۱۵۰ ارب ڈالر کا ”بیل آؤٹ پیکج“ دینا پڑا

۔اس عالمی معاشی بحران کی وجہ سے نہ صرف امریکہ بلکہ پوری دنیا میں کہرام مچا ہوا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ممالک میں بھی بیروزگاری اور غربت میں اس وقت اضافہ ہوگیا ہے۔ خوراک کی قلت پیدا ہوگئی ہے اور دنیا کے بیشتر ممالک میں خوراک کی قیمتیں بڑھنے سے پرتشدد واقعات رونما ہوئے ہیں۔ ”فوڈ سیکورٹی“ کے حصول کے لئے دنیا کے ساٹھ ممالک نے گندم چاول اور دیگر اجناس کی برآمد پر پابندی عائد کردی ہے۔ دنیا کے بڑے صنعتی اور تجارتی ادارے اپنے آپریشنز بند کررہے ہیں۔ فرانس کے دس لاکھ محنت کش سڑکوں پر آکر صدر نکولس سرکوزی حکومت کی امراء کو نوازنے والی اقتصادی پالیسیوں کے خلاف احتجاج کررہے ہیں۔ دیہات سے شہروں اور غریب ممالک سے امیر ممالک کی طرف ہجرت کا عمل رک گیا ہے اور کروڑوں تارکین وطن کا مستقبل مخدوش ہوگیا ہے۔ تیز تر سرگرمی والی معیشتوں پر انجماد طاری ہوگیا ہے۔ دبئی ایئرپورٹ پر ایسی بے شمار لاوارث گاڑیاں کھڑی ہیں جن کے مالکان اپنے تمام اثاثے چھوڑ کر متحدہ عرب امارات سے فرار حاصل کرچکے ہیں۔ سرمایہ کار اس بات سے پریشان ہیں کہ وہ اپنا سرمایہ کہاں استعمال کریں۔ مڈل کلاس کے صارفین اپنی جمع پونجی صرف اس خوف کی وجہ سے خرچ نہیں کررہے ہیں کہ آنے والے دنوں میں ان کا کیا ہوگا۔

نئی نسل کے بیروزگار نوجوان مایوسی کا شکار ہیں اور جن کے پاس روزگار ہے وہ اس کے تحفظ کے لئے فکر مند ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں کے عوام اپنی حکومتوں کی طرف سے اقتصادی بحران کی وجہ سے مزید افراتفری اور انتشار کے خوف میں مبتلا ہیں سرمایہ دارانہ نظام میں کم تنوع، اختراع اور وسیع تر امکانات جیسے خوش نما الفاظ اپنا مفہوم کھو چکے ہیں اور ایسی تباہی و بربادی کا عمل جاری ہے جس کے رکنے کا قریب کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ یہ اقتصادی بحران اچانک یہ پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ سامراجی عزائم کی بنیاد پر پروان چڑھنے والے عالمی سرمایہ دارانہ نظام کا منطقی انجام ہے۔ اشتمالیت اور اشتراکیت کے پرچارک عظیم مفکر کارل مارکس نے ۱۸۶۷ء میں یعنی تقریباً ڈیڑھ صدی قبل اس کی نشاندہی کردی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ”سرمائے کے مالکان محنت کش طبقے کو زیادہ سے زیادہ مہنگی اشیاء مکانات اور ٹیکنالوجی خریدنے کے لئے اُکساتے ہیں جس سے یہ طبقہ مجبور ہوتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مہنگے قرضے حاصل کرے۔ پھر ایک مرحلہ آتا ہے کہ یہ قرضے ناقابل برداشت ہوجاتے ہیں۔ ادانہ ہونے والے قرضوں کے باعث بینک دیوالیہ ہوجائیں گے اور ریاست بالآخر ان بینکوں کو قومیالے گی اور یہی اشتمالیت (کمیونزم) کا راستہ ہے، جس پر ریاست چل پڑے گی۔“ جب امریکی بینکوں کے لئے بیل آؤٹ پیکیج منظور ہوا تو ایک امریکی جریدے نے ”اب ہم سب سوشلسٹ ہیں“ کے عنوان سے اپنی ٹائٹل اسٹوری دی۔ ان حالات میں اگر سیاسی استحکام کے لئے سنجیدہ کوششیں نہ کی گئیں تو خطرناک نتائج کا اندازہ لگانا مشکل ہوگا۔ اب بھی وقت ہے کہ صورتحال کا ادراک کیا جائے۔ ●●

اُمید: فلسطینی بچوں کا بہترین ہتھیار

حماد ماد اور روا سلیمانی

مغربی کنارے میں قائم پناہ گزیں کیمپ، جس کا نام دھیشے ہے کی گلیوں سے گزرتے ہوئے ہر نکڑ، ہر موڑ پر سرخ اور سیاہ رنگ سے پینٹ کیا گیا ایک بچے کا چہرہ ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ بچوں کے گلے میں پہنے ہاروں پر، جھنڈوں پر اور خستہ حال کمروں کی دیواروں پر بھی یہی تصویر بنی نظر آئی۔ سولہ ہزار سے زائد آبادی کے اس پناہ گزیں کیمپ میں وہ تصویر ہر جگہ موجود تھی لیکن وہ بچہ پھر بھی ہمارے لئے پراسرار تھا۔

آخر کار ہم نے یہ دریافت کیا کہ اس چودہ سالہ بچے کو اس جرم میں پناہ گزیں کیمپ کے وسط میں گولی مار ہلاک کردیا گیا تھا کہ اس نے فوج کے نافذ کردہ کرفیو کی خلاف ورزی کی تھی۔ اس کی موت کا صدمہ سارے کیمپ میں محسوس کیا گیا جس کے اثرات ابھی بدقسمتی سے یہ سانحہ ان لاتعداد، بے حس نقصانات میں سے ایک ہے جو ”انتفاضہ“ کی دوسری تحریک کے دوران فلسطینیوں اور اسرائیلیوں نے برداشت کئے۔ اگرچہ غزہ پر حالیہ بمباری تم ہوچکی ہے لیکن اس تنازعہ کے اثرات ابھی تک جاری ہیں اور آبادی کا سب سے بے بس طبقہ یعنی بچے ابھی تک اس کے زیر اثر ہیں۔

کوئنز یونیورسٹی کی طرف سے اگست ۲۰۰۶ء میں کرائی گئی ایک اسٹڈی کے نتائج بتاتے ہیں کہ غزہ میں رہنے والے ۹۸ فیصد بچے اپنے کسی قریب عزیز کو مرتے دیکھ چکے ہیں، آنسو گیس کا شکار ہوئے یا ان کے گھروں کی تلاشی لی جا چکی ہے۔

ایک ایسا معاشرہ جو ابھی تک تشدد کے جسمانی اور نفسیاتی اثرات سے سنبھالنے کی کوشش کررہا ہے، وہاں ایسے بچوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں جو بعد از صدمہ ذہنی دباؤ اور اس کے متعلق دیگر پیچیدگیوں کو بھگت رہے ہیں۔ تصور کرنا مشکل ہے کہ یہ نئی نسل کس طرح زندگی میں آگے بڑھنے کا راستہ تلاش کرپائے گی۔

بلاشبہ بہت سے افراد اور مالی منفعت کے لالچ کے بغیر چلنے والے ادارے اس خطے میں تبدیلی لانے اور مستقبل کو ماضی کی نسبت زیادہ تابناک بنانے کے لئے دن رات کام کررہے ہیں۔ اس حوالے سے کامیاب ہونے والے منصوبوں جیسے اور منصوبے بھی بنانے چاہئیں تاکہ ان کا اثر دوگنا چوگنا ہو۔

پچھلے موسم گرما میں ہم نے کئی امریکی دوستوں کے ساتھ مل کر مغربی کنارے میں ”میرا ایک خواب ہے“ کے عنوان سے سمر کیمپ منعقد کیا جس کا مقصد بچوں کو صورتحال بہتر بنانے اور فلسطینی معاشرے میں تبدیلی کے ہرکاروں کا کردار ادا کرنے کے لئے اپنی صلاحیتوں کا ادراک کرنے میں مدد دینا تھا۔ اس کیمپ کو ”امن کے ۱۰۰ منصوبے فاؤنڈیشن“ نے اسپانسر کیا تھا۔

مغربی کنارے میں نو عمر فلسطینیوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ ان میں پرتشدد کھیل کھیلنے کا رجحان امریکی بچوں کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ ان کھیلوں میں کھلونا پستولوں اور ضرب لگانے والے کھیل قابل ذکر ہیں جو ایک ایسے خطے میں زندگی گزارنے کا نتیجہ ہیں جہاں بدقسمتی سے تشدد بہت سے لوگوں کے لئے زندگی بسر کرنے کا ایک طریقہ بن چکا ہے۔

دس سے چودہ سال تک عمر کے ان بچوں کو جنگی کھیلوں کا متبادل فراہم کرنے کے لئے ہم نے آرٹ، میڈیا اور اسپورٹس کو واسطے کے طور پر استعمال کیا جن کے ذریعے کیمپ کے شرکا امن اور استحکام کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنانے کے لئے از خود اقدامات کرسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر فلسطینی نژاد امریکی اداکارہ میسون زید کی میزبانی میں اداکاری اور آرٹ کی ترتیبی ورکشاپ میں بچوں کو مختلف کردار مثلاً اپنے خوابوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے صنف مخالف کی اداکاری کرنا وغیرہ، ادا کرنے کا موقع ملا۔

ایک اور سیشن کی میزبانی سولیانے کی جس میں جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے بچوں کا مغرب میں رہنے والے بچوں سے رابطہ کرایا گیا۔ اس پروگرام میں بچوں نے ویب کیمرے کے ذریعے مراکش اور نیویارک میں بیٹھے معاونین کی موجودگی میں ایک دوسرے کے ساتھ ”انٹرنٹ بطور ابلاغی ذریعہ کے موضوع پر بات کی۔

۲۰۰۲ء میں انتفاضہ کے دوسرے دوسرے میں ہمارے کیمپ کے ان شرکاء کی عمر سات آٹھ سال رہی ہوگی۔ اگلے پانچ سال کے دوران انہوں نے نصف سے زیادہ عرصہ اسکول کے بجائے گھر بیٹھ کر گزارا۔ اس کے علاوہ بھی جب کبھی لڑائی میں شدت آتی ہے تو ان کی تعلیم کا حرج ہوتا ہے۔

ان بچوں کو قائدانہ صلاحیتیں اور تعمیری اظہار کے راستے فراہم کرنے سے ہمیں امید ہے کہ یہ کیمپ ان بچوں کو زندگی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے، مستقبل کو ماضی کی نسبت زیادہ مثبت بنانے کی خواہش کرنے اور یہ سوچنے میں مدد دے گا کہ دنیا میں ہر کام کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

کیمپ کے شرکاء نے مستقبل کے لئے مثبت طریقوں کے بارے میں سوچ بچار کرنے، مثلاً اپنی امیدوں کا شاعری میں اظہار کرنے، ہپ ہاپ رقص اور باسکٹ بال جیسے کھیلوں کے ذریعے اپنی کمیونٹیز میں معروف ہونے کے ہمارے چیلنج کو قبول کرلیا تھا۔

ہمارے پراجیکٹ کا مقصد ایسی سیاست کو پیچھے چھوڑنا ہے جو سیاسی جماعتوں کو پائیدار اور منصفانہ امن قائم کرانے کے لئے کوئی حقیقی راستہ تلاش کرنے سے باز رکھتی ہے۔ ایسی آوازوں کو مضبوط بنانا بہت اہم ہے جو تبدیلی کی راہ دکھاتی ہیں۔ یہ آوازیں نہ صرف تنازعہ کو ختم کرنا بلکہ مصالحتی عمل کا آغاز بھی کرنا چاہتی ہیں۔

ہم اپنے پراجیکٹ کو ان مقاصد کی نمائندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ پراجیکٹ ایسی موجودہ تقسیم اور سیاست کو ناکام بنانے کی ذریعہ ہے جو فلسطینیوں اور نوجوان نسل کو اپنے معاشرے میں اجنبی بنارہی ہے۔

اگرچہ غزہ میں لڑائی رک گئی ہے لیکن اس کے مضر اثرات بہت دیر تک رہیں گے۔ اس بات کی ضرورت اب ہمیشہ سے کہیں زیادہ ہے کہ پر امن مستقبل کے خواب کو حقیقت کا روپ دینے کے آلات بچوں کے سپرد کردیے جائیں۔ ●●

دین اسلام اور معاشرتی حقوق

ظفر عاقل، دارالعلوم صفہ نظام آباد

ایک ذمہ دار اور متوازن معاشرہ جو انسانیت کو مقام عدل پر قائم رکھ سکے تاکہ حقوق اور فرائض کے درمیان درکار توازن سے استفادہ ہوسکے آسان بات نہیں ہے۔ انسان ایک ایسا سماجی و معاشرتی حیوان ہے جو عقل وتمیزی قوت کے سبب دیگر ذی روح مخلوقات سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ خوب تر کی تلاش اور اپنی ذات پر اپنے دیگر ہم جنسوں کو مقدم کرنے اور قربانی دینے کا جذبہ انسان کو ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ غرض ایک طرف ایسی رفعت، اونچائی اور معراجی کیفیات کہ خالق کون و مکاں کسی انسانی فعل پر اعلان کرے کہ فلاں کام تم نے نہیں انجام دیا بلکہ ہم نے انجام دیا ”سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا۔“ (سورۃ الانفال: ۱۷)

اس پر جہاں خوشی وانبساط اور فرحت و تفاخر سے انسانیت کا سر بلند ہوتا ہے تب وہیں پر دوسری جانب پستی کی وہ اتھاہ دلدل کہ جس میں انسان خود کو اپنی اعلیٰ اقدار کو، اپنی اعلیٰ صفات کو گرادیتا ہے کہ جانور بھی اس ذلت کو اور اس گھناؤنے انداز کو دیکھ کر شرما جائے۔ قران مجید نے بڑے ہی بلیغ انداز میں سورۃ التین ۴-۵ میں اس عروج و پستی کو بیان کیا ہے تاکہ سنبھلنے اور سنبھالنے کا کام جو کہ انسان کا فرض منصبی ہے سہل ہوسکے جب کہ ایک اور رخ سے جہاں یہ ارشادات خدائی تنبیہ ہیں تب وہیں پر اتمام حجت بھی۔ دنیا میں مختلف مذاہب کا پایا جانا دراصل راہ حق سے اعراض کے ایسے ثبوت ہیں جس سے انسان کی سیمابی سرشت و کیفیت کا اظہار ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ راہ حق سے گریز یا شیطانی گرفت میں پھنس جانے کا اعلان بھی اور

باقی صفحہ ۵ پر

خوف ودہشت کا اصل منبع

ایس اے قدوائی

امریکہ جس وقت ''اقتصادی سونامی'' کے بلاخیز تھپیڑوں کی زد میں آیا ہوا تھا جارج ڈبلیو بش اس وقت بھی یہی راگ الاپ رہے تھے کہ امریکی معیشت کی بنیادیں بہت مضبوط ہیں۔ پھر صدر کی حیثیت سے ان کی آخری پریس کانفرنس میں جب ان سے تباہی سے دوچار امریکی معیشت کے بارے میں پوچھا گیا تو بش کا جواب تھا کہ ''نہ میں ماہر معاشیات ہوں اور نہ آپ ''مگر میں بہرحال رجائیت پسند ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آخرکار معیشت سنبھل جائے گی'' تاہم بش نے ان خیالات کا اظہار اس حقیقت کے باوجود کیا کہ ان کے وزیرخزانہ ہنری پالسن اور فیڈرل ریزرو بینک کے چیئرمین ''بین برنانکے'' ۱۴/ستمبر ۲۰۰۸ء کو ارکان کانگریس کے ایک خفیہ اجلاس کو بتا چکے تھے کہ اگر ۷۰۰ بلین ڈالر کا بیل آؤٹ پیکیج کسی پیشگی شرط کے بغیر منظور نہ کیا گیا تو نہ صرف امریکی معیشت بلکہ پورے عالمی اقتصادی نظام کی تباہی چند دنوں کی بات ہوگی۔ ظاہر ہے کہ جارج ڈبلیو بش صف اول کے اپنے ان مالی منتظمین کی جانب سے کانگریس کے سامنے اس ہولناک منظر کشی سے بے خبر نہیں ہوں گے پھر بھی وہ اس کی تردید کرتے رہے۔

بش کا دور صدارت نہ صرف ایک ڈراؤنا خواب ثابت ہوا بلکہ انھوں نے امریکہ پر اس سے کہیں زیادہ کاری وار کیے جن کے بارے میں اسامہ بن لادن نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا۔ اگر اسامہ بن لادن افغانستان کے کسی دور افتادہ اور دشوار گزار علاقہ کے کسی غار میں ابھی تک زندہ سلامت موجود ہیں تو اپنی خوش قسمتی پر وہ یقیناً مطمئن اور مسرور ہوں گے۔ لیکن امریکی معیشت پر لگنے والی ضرب نے امریکیوں کے ہوش اڑا دیے ہیں اور وہ ہنسنا بھول گئے ہیں۔

گزشتہ ۲۲ ماہ کے عرصے میں صدمہ اور سراسیمگی کی یہ کیفیت امریکی ہاؤسنگ مارکیٹ سے بینکوں، انشورنس کمپنیوں اور انڈسٹری مینوفیکچرنگ سیکٹر تک پھیل گئی ہے اور اب پوری امریکی معیشت اور اس کے ساتھ بیشتر مغربی عالمی قیمتیں جمود سے دوچار ہو چکی ہیں۔ ہر جگہ اچھے خاصے جمے جمائے کاروباری ادارے دیوالیہ ہو رہے ہیں اور ملازمتیں ختم ہو رہی ہیں۔ امریکی کانگریس نے بینکوں کے لئے ۷۰۰ بلین ڈالر کے بجائے ۷۸۷ بلین ڈالرز کا بیل آؤٹ پیکیج منظور کیا تھا جو ناکافی تصور کیا جا رہا ہے۔

امریکی صدر بارک حسین اوباما نے اگلے کئی برسوں کے لئے کھربوں ڈالرز کے خسارے کا خدشہ ظاہر کیا ہے۔ جب حالات اچھے تھے تو بینکرز نے منافع کمانے کے تمام مواقع سے فائدہ اٹھایا اور اس میں کسی اور کو حصہ دینے سے انکار کر دیا لیکن جب حالات خراب ہوئے تو وہ سرکاری رقم کی مدد سے گلوخلاصی کے خواہاں ہیں تاہم ملازمتوں سے فارغ اور بیروزگار ہونے والے لاکھوں ملازمین کے لئے کوئی بیل آؤٹ نہیں۔

بارک حسین اوباما کے ڈائریکٹر نیشنل انٹیلیجنس ڈینس بلیئر نے ۱۲/فروری کو سینیٹ انٹیلیجنس کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے خبردار کیا تھا کہ بڑھتے ہوئے اقتصادی بحران سے امریکہ کے استحکام اور قومی سلامتی کو سنگین ترین خطرہ لاحق ہے۔ اس لئے دنیا کے خطرناک ترین دہشت گرد افغانستان کے کسی غار یا پاکستان کی قبائلی پٹی میں نہیں بلکہ وال اسٹریٹ میں براجمان ہیں۔ اقوام متحدہ کے بین الاقوامی ادارہ محنت کے تخمینوں کے مطابق اس سال دنیا بھر میں تقریباً پانچ کروڑ ورکر اپنی ملازمتوں سے محروم ہو جائیں گے جبکہ امریکہ میں ۳۶ لاکھ افراد پہلے ہی ملازمتوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔ امریکی ماہرین اقتصادیات کا کہنا ہے کہ امریکیوں کے معیار زندگی میں تبدیلی اور زوال پذیری کی دائمی کیفیت غالب آتی جا رہی ہے۔ کیونکہ امریکی اپنے مکانات کی گرتی ہوئی مالیت کی مد میں آٹھ ٹریلین ڈالر، کمزور کیپٹل مارکیٹس کی وجہ سے دس ٹریلین ڈالرز اور کریڈٹ کارڈز میں صارف پر قرضہ کے بوجھ کی مد میں چودہ ٹریلین ڈالرز سے محروم ہو چکے ہیں۔ عراق اور افغانستان میں بھاری فوجی اخراجات کے بعد بیروزگاری اور کاروبار کی تباہی کا اس سے بھی بڑا سیلابی ریلا آئے گا جس سے یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ اس سنگین معاشی اور معاشرتی بے چینی اور اتھل پتھل سے جنم لینے والی ہنگامہ آرائی اور تشدد اس حد تک نہ بڑھ جائے کہ امریکہ کو ملک میں امن وامان برقرار رکھنے کے لئے فوج طلب کرنا پڑے۔ اور یہ نری قیاس آرائی بھی نہیں کیونکہ نیویارک ٹائمز کے سابق نامہ نگار کرس ہیجیر ۱۶/فروری کو اپنے ایک مضمون میں اس حقیقت کی نشاندہی کر چکے ہیں کہ معاشرتی بے چینی کا مسئلہ نومبر میں یو ایس آرمی وار کالج کے ایک اجلاس میں بھی اٹھایا گیا تھا۔ دفاعی حکمت عملی سے متعلق دستاویز میں فوج کو خبردار کیا گیا تھا کہ اسے امریکہ میں اقتصادی نظام کا شیرازہ بکھرنے کی صورت میں تشدد اور انتشار پھیلنے کے سیاسی اور قانونی نظام درہم برہم ہو جانے پر اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے تیار رہنا ہوگا جن میں امریکہ کے اندر فساد پر آمادہ گروپوں کے خلاف پنٹاگون کے براہ راست کنٹرول کے تحت فوجی طاقت کے استعمال کی ذمہ داری بھی شامل ہے۔ سیدھے سادے الفاظ میں اس کا مطلب ہے مارشل لا۔

یوں وال اسٹریٹ کے دہشت گردوں نے نہ صرف امریکی معیشت تباہ کر ڈالی ہے بلکہ ایسے حالات بھی پیدا کر دیے ہیں کہ اب بھوکے امریکی عوام کو قابو میں رکھنے کے لئے مارشل لا کا نفاذ بھی خارج از امکان نہیں رہا۔ پرنسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر اور اقتصادیات میں ۲۰۰۸ء کا نوبل پرائز حاصل کرنے والے پروفیسر پال کرگمین نے ۱۶/فروری کو نیویارک ٹائمز میں اپنے کالم میں لکھا کہ اب ہم مصیبت میں گرفتار ہیں۔ میرے خیال میں اس سے کہیں بڑی مصیبت میں پھنس چکے ہیں جس کا ابھی تک بہت سے لوگوں کو پورا ادراک نہیں ہے۔ ہر شخص بینکوں کے مسائل کی بات کرتا ہے لیکن آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے اور پورا نظام ابتری سے دوچار ہے۔ صرف بینک ہی نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی پورا نجی شعبہ بے پناہ قرضوں اور برائے نام اثاثوں کے مسئلے میں پھنس چکا ہے۔ لیکن آپ یہ توقع نہ رکھئے کہ بی۔۵۲ بمبار وال اسٹریٹ پر ۱۰۰۰ پونڈ وزنی ڈیزی کٹر بم برسائیں گے۔ اس کے بجائے روٹی کا مطالبہ کرنے والے مشتعل ہجوموں کو فوجیوں کی گولیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر عراقی اور افغان انگریزی پڑھ سکتے ہوں تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اب امریکی فوج کے لئے ان کے ملکوں میں زیادہ عرصے تک اپنی مہم جوئی کا سلسلہ جاری رکھنا ممکن نہیں رہا اور اب امریکہ دنیا کے دور دراز مقامات پر ''شورش پسندوں'' کے بارے میں فکرمند ہونے کے بجائے اپنے ہی ملک میں ''غضبناک ہجوموں'' کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے فوجیوں کو ہنگامی طور پر وطن واپس لانے پر مجبور ہو جائے گا۔ اب عراقیوں اور افغانوں کے لئے امریکیوں کو مکمل اور فیصلہ کن شکست دینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بغداد یا کابل میں سیگاؤں جیسا مرحلہ دیکھنے میں نہیں آئے گا۔ بلکہ امریکی فوجی عراق اور افغانستان چھوڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔ وال اسٹریٹ کے ڈاکوؤں اور دہشت گردوں نے امریکی فوجیوں کی وطن واپسی کی راہ ہموار کر دی ہے۔ ●●

بقیہ: دین اسلام اور معاشرتی حقوق

یہ اس لیے ہے کہ اللہ رب العزت نے انسان کو اختیار کی آزادی دے کر اور بلا جبر و کراہ۔ (۲۵۶البقرہ) اچھے برے میں سے کسی ایک راہ کو اپنانے کی صلاحیت و قوت' بصارت وبصیرت، فہم وذکاوت حلم و بردباری عطا کر کے اصلاً ایک امتحانی عرصہ میں رکھ دیا ہے تاکہ انسان خود اپنے بھلے برے اور نفع ونقصان کو پہچانے اور اسی کے مطابق اپنی دنیاوی زندگی کی راہ اختیار کرے۔ چنانچہ اچھائی و نیکی کو قبول کرنے کی ہدایت اور بدی و برائی کو اخذ و اختیار کرنے کی قوت ہر دو راستوں کے امکانات کو کھلا رکھ دیا گیا ہے۔ چنانچہ انسانی معلوم تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ نہ صرف راہ حق سے گریز اور دوری اختیار کرنے کی وجہ سے بلکہ کچھ تو انسان کی سیمابی خو نے اور علاوہ ازیں انسانی ازلی جستجو کی جبلت کے علاوہ شیطانی وساوس اور بہکاوے کی وجہ سے انسان نے اپنے لیے جو بھی نظام ہائے زندگی بنائے اور اختیار کیے ہیں وہ افراط وتفریط اور ظلم وزیادتی پر منتج ہوئے۔

کہیں دنیا پرستی و مادیت کا عروج کسی لکشمی دیوی کے چرنوں کی خاک چاٹنے کے لیے انسان کو مجبور کرتا ہے تو کہیں رہبانیت اور شادی بیاہ سے فرار اور دنیا سے کسی بھی قسم کے تعلق کا رکھنا بھی نجاست کے حدود میں ڈھکیلتا ہوا خدا کی تلاش میں سرگرداں محسوس ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ' جو نہ صرف کائنات کے ذرہ ذرہ کا پیدا کرنے والا ہے بلکہ انسان کی تخلیق بھی اسی کے کلمہ کُن فیکن کا مظہر ہے، نے انسانی فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کا صحیح و فطری نظام وطریقہ جس کو دین اسلام کہا جاتا ہے عطا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہلے انسان کو نہ صرف نبی و رسول بنایا گیا بلکہ اللہ کا خلیفہ بھی قرار دیا گیا اسی طرح سارے انبیائے کرام اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ زندگی یعنی دین اسلام کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور جس پر چل کر ہی انسان کی زندگی کامیاب ہو سکتی ہے اور اللہ کے غضب سے بچاؤ بھی ممکن ہے اور ساتھ ساتھ دوزخ کے عذاب سے چھٹکارہ بھی۔

اللہ کی رضاء اور خوشنودی بھی اسی میں ہے اور جنت کی لازوال نعمتوں کا حصول بھی۔ یہی وہ اصل وصحیح دین ہے جو انسان کی دنیاوی زندگی کو افراط وتفریط سے بچا کر خود دنیا کو جنت کا نمونہ بنا سکتا ہے اور اسی دین اسلام نے معاشرتی حقوق کا وہ حسین ومکمل نمونہ انسان کو دیا ہے کہ جس کی نظیر ملنا ممکن نہیں اور اسی دین اسلام نے اللہ کے حقوق کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کے نام سے تفصیل کے ساتھ بندوں کے حقوق کا تذکرہ اس شان واہتمام کے ساتھ کیا ہے کہ ان کے بغیر اللہ کی خوشنودی کا تصور ممکن ہی نہیں اور ایک مسلم ومومن سے مطالبہ بھی کیا کہ وہ اللہ کی بندگی کے ساتھ ساتھ ان حقوق العباد کی ادائیگی کرے۔ بندوں کے ان حقوق سے فرار اور گریز اللہ کے غضب کو بھڑکانے والا اور دنیاوی نظام کو تہہ و بالا کر دینے والا ہے اور چونکہ انسان دنیا میں خدا کا خلیفہ ہے اس لیے حقوق العباد اس کے فرائض منصبی کا حصہ بھی ہیں۔ آج دنیا جن مشکلات کا شکار ہو رہی ہے اور جہنم کا نمونہ بنی دکھائی دیتی ہے وہ انھی معاشرتی حقوق کی عدم تکمیل یا افراط وتفریط کی وجہ سے ہے۔ معاشرتی حقوق صرف یہ نہیں کہ وہ انفرادی طور پر ایک فرد کے دوسرے فرد سے تعلقات سے ہی بحث کرتے ہوں بلکہ انسانی اجتماعی معاشرہ بھی اس کے دائرہ کار میں داخل ہے۔ آج دہشت گردی کا جو ماحول بنا ہوا ہے اور ایک ملک کا دوسرے ملک پر پنجے کسنا اور حملہ کرنا اور وطن کی فطری محبت کی بجائے نیشنلزم کے نام پر وطن کو دیوتا کا درجہ دے دینا اور ملک کے مفاد کے نام پر بقیہ ممالک کی دھجیاں اڑا دینا اور ''حفظ ما تقدم اقدامی جنگ'' کی کاروائی کر دینا وغیرہ معاشرتی حقوق کی پامالی کی وجہ سے ہی انجام پذیر ہو رہی ہیں۔ دنیا اگر دین اسلام کے عطا کردہ معاشرتی حقوق کو اپنانے تیار ہو جائے تو آج ترقی اور امن و سکون انسانی معاشرہ کی میراث بن جائے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ کیا ہم روایتی دین داری کے غلط خول سے نکل کر دنیا کو اسلام کی لاثانی و بے نظیر اصول وتعلیمات بتانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں؟ یا دنیاوی علوم میں ماہر ہونے کے باوجود دینی علوم اور دینی فہم سے اختیاری ناواقفیت کی چادر اوڑھ کر اللہ کی ناراضگی مول لیتے ہیں۔ دنیا پیاسی ہے اور بڑی یاس بھری نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ رہی ہے بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ منتظر ہے کہ سرور کائنات کی یہ عظیم امت' کار نبوت کی نازک ذمہ داری کی حامل یہ فدائین رسالت۔ دنیا کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شمع رسالت کی ضوفشانیوں کو، گلستان نبوت کے عطر بیز پھولوں کی مہک کو چہار سو بکھیرنے کے لیے تیار ہیں یا زبانی جمع وخرچ کرتے اللہ کے غضب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اللہ توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ ●●

ایرانی گورباچوف وہائٹ ہاؤس کا نیا شوشہ

رؤف عامر

مغربی میڈیا میں آج کل ایران کے صدارتی الیکشن کے متعلق گرماگرم بحث جاری ہے۔ ایران کے موجودہ صدر محمود احمدی نژاد تہران کے جوہری پروگرام پر اپنی ثابت قدمی و ناقابل لغزش موقف کی بنا پر اسرائیل اور امریکہ کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چبھ رہے ہیں۔ یوں یہود پرست ملکوں کی دلی خواہش ہے کہ کسی طرح محمود احمدی نژاد کو مقابلے کی دوڑ سے خارج کیا جائے۔

ایران کے سابق الیکشن ۲۰۰۵ء میں سابق صدر ہاشمی رفسنجانی اور محمود احمدی نژاد کے درمیان کانٹے کا رن پڑا۔ ایرانی الیکشن میں امیدواروں کے لئے پہلے مرحلے میں پچاس فیصد ووٹرز کی حمایت درکار ہوتی ہے۔ اگر امیدوار پچاس کا ہندسہ کراس نہیں کرتے تو پھر زیادہ ووٹ لینے والے پہلے دو امیدواروں کے درمیان میدان سجتا ہے۔ ۲۰۰۵ء میں محمود احمدی نژاد اور سابق صدر ہاشمی رفسنجانی کے درمیان ری پولنگ ہوئی جس میں ایرانی قوم نے صدارت کی جھومر محمود احمدی نژاد کے ماتھے پر سجائی۔ الیکشن کے دوران ہی عالمی برادری کو پتہ چلا کہ احمدی نژاد تہران کا میئر ہے۔ انقلابی کونسل کے سرخیل اور روحانی پیشوا آیت اللہ خامنہ ای کسی بھی امیدوار کی اہلیت کو چیلنج کر کے اسے انتخابی دوڑ سے خارج کرنے کی ویٹو پاور رکھتے ہیں۔ ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۵ء تک خاتمی ایرانی صدارت کے سنگھاسن پر جلوہ افروز رہے۔

مغربی وامریکی میڈیا اس خدشے کا اظہار کر رہا ہے کہ آیت اللہ خامنہ ای محمد خاتمی پر پابندی عائد کر دیں گے مگر مغربی ذرائع ابلاغ کی درفطنیوں پر رائے زنی کرنا قبل از وقت ہوگا۔ صدارتی الیکشن بارہ جون کو منعقد ہوں گے۔ مغرب میں ایک طرف تہران میں انسانی آزادیوں کا ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا ہے تو دوسری طرف افراط زر اور معاشی تنزلیوں کو گورنمنٹ کی ناکامیوں کا شاخسانہ کہا جاتا ہے۔ امریکہ اور عالمی اداروں اقوام متحدہ اور ایٹمی توانائی کے عالمی ادارے آئی اے ای اے نے ایران پر سفارتی معاشی اقتصادی اور جوہری پابندیاں عائد کیں۔ اسرائیل کی چودھراہٹ کے لئے ایٹمی توانائی کمیشن نے تہران کے جوہری پروگرام پر لایعنی افترا پردازیوں کی آڑ میں جوہری توانائی کے حق سے دستبردار کرانے کی غرض سے جوہری لیباریٹریوں کی تالہ بندی کر دی مگر سچ تو یہ ہے کہ محمود احمدی نژاد نے صدر بنتے ہی آئی اے ای اے اور امریکہ کی آمرانہ پالیسیوں کو جوتے کی نوک پر رکھا اور ایٹمی کارخانوں کے تالے توڑ کر یورینیم افزودہ کرنے کا عمل شروع کروا دیا۔

امریکہ اور اسرائیل نے درجنوں مرتبہ ایران پر جنگ مسلط کرنے کی دھمکیاں دیں مگر ایرانی قیادت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ایک طرف ایران نے یورینیم افزودگی کے کام کو شب وروز جاری رکھا تو دوسری طرف محمود احمدی نژاد نے مغرب کی ہر دھمکی دباؤ کا سینہ تان کر جواب دیا۔ آج ایران یورینیم کی خاطر خواہ مقدار کو افزودہ کر چکا ہے۔ اسرائیل کے خلائی سائنسدانوں پروفیسر اسحاق بن اسرائیل نے تسلیم کیا ہے کہ ایران نہ صرف دوچار ایٹم بم بنانے کے لئے یورینیم افزودہ کر چکا ہے بلکہ ایران نے بین البراعظمی بیلسٹک میزائل بھی تیار کر لئے ہیں۔

۳/فروری ۲۰۰۹ء کو ایرانی سائنسدانوں نے پہلا خلائی سیارہ امید خلاء میں بھیج کر امریکیوں و اسرائیلیوں کا سکھ چین غارت کر دیا۔ میساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے ماہر جیفری فورڈن نے نیویارک ٹائمز کو بتایا کہ ایران بڑے Exclusive Club کا ممبر بن چکا ہے۔ ایران کے جوہری پلانٹس کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی خواہش رکھنے والے ادارے آئی اے ای اے کے سربراہ البرادعی نے ابھی حال ہی میں تہران کے ایٹمی پروگرام کا دفاع کرتے ہوئے بتایا کہ ایران ایٹمی ہتھیار رکھنے والے ملکوں چین، پاکستان، روس اور بھارت میں گھرا ہوا ہے۔ اسرائیل کے اسلحہ خانے ایٹمی ہتھیاروں کے انبار سے اٹے پڑے ہیں۔ ایران کی سلامتی کے لئے اسے جوہری توانائی لازم ہے۔ اسرائیل تو اٹھتے بیٹھتے تہران کا ایٹمی کارخانہ عراق کے جوہری پلانٹس کی طرح تباہ وبرباد کرنے کے لئے تلا ہوا ہے۔ ہولوکاسٹ کی لغویات کو بار بار عیاں کرنے اور فلسطینی کاز کے حق کے لئے اسرائیلی مظالم کو ہر پلیٹ فارم پر للکارنے کے لئے جرائم میں یہودیوں کے ذہنوں میں محمود احمدی نژاد کا جوہری پروگرام ضربیں لگا رہا ہے۔

اسرائیلی جارحیت کا دنداں شکن جواب دینے تہران کو اپنی سلامتی کے تحفظ اور جوہری توانائی کے حصول کے لئے ایٹمی پروگرام کے پرامن جاری رکھنے کا حق حاصل ہے۔ امریکی فورسز اور اتحادی ایران کے دونوں اطراف عراق اور افغانستان میں موجود ہیں۔ یعنی جب ایران کا بڑا و جانی دشمن بارڈر لائنز پر موجود ہو تو ان حالات میں ایران کو دفاعی ضروریات کے لئے ہر قسم کے اقدامات کرنے کا حق حاصل ہے۔ جس سے ایرانی قوم کسی بھی صورت میں دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ ایران نے جو سیارہ خلاء میں بھیجا ہے وہ کوئی کھلونا نہیں ہے بلکہ ایرانی سیارے نے اسرائیل کی چپے چپے کی جاسوسی شروع کر رکھی ہے۔ علاوہ ازیں یہی سیارہ ضرورت پڑنے پر ایٹمی ہتھیاروں کو داغنے کا کام بھی دے گا۔ بش نے ایران کو exis of evil کا خطاب دیا تھا۔ بش کی جگہ لینے والے بارک اوباما نے ایران کے ساتھ مذاکرات کا اعلان کیا تھا۔ ایران بھی امریکہ کے ساتھ اچھے تعلقات کا خواہاں ہے مگر تہران کا نقطۂ نظر ہے کہ امریکہ سمیت کوئی طاقت ایران کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی نہ کرے اور دفاع کو سبوتاژ کرنے کی شاطری نہ کی جائے۔

ایران کی نیک نیتی کا اندازہ اس نکتے سے لگایا جا سکتا ہے کہ تہران نے تو انقلاب کے بعد بھی وہائٹ ہاؤس سے تعلقات رکھنے کی کوشش کی تھی مگر جب ایرانی طلبہ نے امریکی سفارت خانے پر قبضہ کیا تو وہاں سے کچھ ایسی خفیہ منصوبہ بندیوں کے پلندے برآمد ہوئے جو انقلابی حکومت کا تختہ الٹنے کے منصوبوں وسازشوں کو عیاں کرنے کے لئے کافی تھے۔ امریکی سفارت خانے سے برآمد ہونے والی دستاویزات میں سے ایک سو دس کو جاسوسی کے علم کیلئے باقاعدہ جلدوں کی صورت میں شائع کیا گیا۔ نیویارک ٹائمز کی رپورٹ اشاعت فروری ۲۰۰۹ء میں بتایا گیا ہے کہ بش کے آخری مہینوں میں اسرائیلی وزراء نے جارج ڈبلیو بش سے ہنگامی ملاقات میں درخواست کی کہ امریکہ انہیں Bunier Busting دے۔ ان بموں کو نائن الیون کے واقعے کے بعد افغانستان پر حملے کے دوران استعمال کیا گیا تھا۔

ایران کی تنصیبات زیرزمین ہیں اور یہ

باقی صفحہ ۸ پر

خطوط ومسائل

کیا یہ سود کی پوشیدہ حمایت نہیں ہے؟

پاکیزہ روایات کے حامل 'دعوت' (۱۶/مارچ ۲۰۰۸ء) میں ''ایک نقطۂ نظر'' کے تحت حکیم ظل الرحمٰن کے مضمون ''اسلامی بنکاری اور سودی نظام'' کے عنوان سے (سود کی خفیہ ہمنوائی کرنے والے) مضمون کی اشاعت پر افسوس ہوا۔ ایک طرف تو جناب ظل الرحمٰن نے قرآن پاک کے حوالے سے لکھا ہے: ''بلاشبہ یہ آیت اس امر کی ہدایت ہے کہ سود پر قرض حاصل کرنے سے بچا جائے'' دوسری طرف مستشرقین یا کچھ ہم وطن مہاشیوں کے سے انداز میں توہین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتکاب کی جرأت کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں یہودی کے یہاں اپنی زرہ رہن رکھنے کے واقعے کا ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''رہن رکھنے میں یہ امکان زیادہ ہے کہ قرض سودی ہو''۔ یعنی حکیم صاحب کے مطابق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہدایت الٰہی کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سودی قرض لینے جیسے گناہ مرتکب قرار دے کر حکیم صاحب اپنے کسی پوشیدہ جذبے کی تسکین کرنا چاہتے ہیں، یا اپنے کچھ ذاتی منصوبوں کے لئے سود کا جواز فراہم کرنا چاہتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو

تم ہی کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟

حکیم صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''یہ تحقیق تشنہ ہے کہ یہ قرض سودی تھا یا بغیر سودی''۔ ہماری گزارش ہے کہ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات تحقیق شدہ نہیں ہے تو تحقیق سے قبل یہ لکھنا کس نے لازم قرار دیا تھا کہ ''یہ امکان زیادہ ہے کہ قرض سودی ہو''!

انتظار نعیم
۲۵۲۵۔ بارہ دری، بلیماران، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

گاندھی جی کی ایک یادگار یہ بھی ہے

گاندھی جی کی یادگاری ذاتی اشیاء کو خرید کر ہندوستان لایا جا سکا ہے۔ لیکن وقتاً فوقتاً گاندھی جی کی ذاتی چیزیں منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔ اسی طرح کی ایک چیز ان کا ذاتی قرآن ہے۔ گاندھی جی کی عادت تھی کہ وہ روز صبح غسل کر کے قرآن پڑھتے۔ قرآن کی اپنی اس کاپی پر انھوں نے جگہ جگہ نوٹس بھی لکھے تھے۔ وہ نسخہ انھوں نے اپنے دوست مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کو، جو کہ رائے پور کے حضرت جی بھی کہلاتے ہیں اور جو مولانا علی میاں ندویؒ کے استاد بھی تھے، دے دیا تھا۔ اس کا حوالہ دیوالہ کے مشہور فریڈم فائٹر ماسٹر ہزاری لال کے بیٹے محمد صادق ایڈوکیٹ نے دیا ہے۔ گاندھی جی کے اس قرآن پاک کو بھی حاصل کر کے ان کی ذاتی اشیاء کے ساتھ رکھنا چاہئے۔

صفیہ اقبال
ذاکر باغ، نئی دہلی۔ ۲۵

مسائل سے چشم پوشی مسائل کا حل نہیں

ثناء اللہ صادق تیمی
کاویری ہاسٹل، جے این یو، نئی دہلی

مسائل درپیش ہوں تو ان کا حل تلاش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مسائل کو نظرانداز کرنے سے مسائل اور بڑھتے ہیں۔ وقتی طور پر کچھ ایشوز دب تو سکتے ہیں مگر پوری طرح ختم نہیں ہو جاتے۔ انفرادی زندگی سے لے کر سماجی زندگی تک میں یہ اصول کارفرما نظر آتا ہے۔ بوجوہ خرابیوں اور برائیوں کو نظرانداز کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں لیکن بعد کو وہی خرابیاں مستقل دردسر بن جاتی ہیں۔ ایک چیز جو دن بدن قدم پسارتی جا رہی ہے اور ہم سب اس کے شکار ہوتے جا رہے ہیں وہ ہے مصلحت پسندی کا خیال، مصلحت پسندی نے ہم سے ہماری ساری جرأت، ہمت اور حوصلے کو چھین لیا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو یہ چیز اور بھی سنگین نظر آئے گی۔ کچھ دعوتی مشن سے جڑے لوگوں کے یہاں یہ عجیب وغریب مصلحت دیکھنے کو ملتی ہے کہ وہ نماز اور روزہ کی تلقین اور اچھائیوں پر ابھارنے کا فریضہ تو انجام دیتے ہیں لیکن کسی غلط کام سے روکنے کا خیال بھی انہیں چھو کر نہیں گزرتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بھلائی کرنے سے انسان خود ہی برائی سے دور ہو جائے گا۔ منطق تو اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا تعلق اسوۂ رسول ﷺ سے کتنا ہے؟ یہ سوال اہم ہے۔ قرآن کریم کے اندر امر بالمعروف ہی نہیں، نہی عن المنکر کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ امت کو جہاں خیر امت کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے وہاں یہ دونوں صفتیں مذکور ہوئی ہیں۔

دعاۃ الی اللہ کا ایک اچھا خاصا طبقہ رمضان وغیرہ کے مہینوں میں مدارس، مکاتب اور خانقاہوں کے لئے چندہ کرنے نکلتا ہے۔ ان کے سامنے سیٹھ قسم کے لوگ ہر طرح کی غیرشرعی حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لیکن یہ مبلغین ان پر کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کرتے۔ چندے کی فکر میں یہ نظرانداز کرنے کی پالیسی اپناتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ اپنے اس عمل سے نہ صرف یہ کہ وہ ان بے ضرر سیٹھوں کو ہوا دیتے ہیں بلکہ اپنی عزت بھی کھو دیتے ہیں۔ ادارے اللہ کی مدد سے چلتے ہیں۔ انسان کے بس میں بھلا ہے بھی کیا؟ کبھی یہ حضرات ان کم بختوں کو ڈانٹ کر تو دیکھیں۔ کیسے انقلاب رونما ہوتا ہے۔ لیکن امید تو اسی وقت ہو سکتی ہے جب خود یہ حضرات خلوص نیت سے ''چندہ کرنے کی ذلت'' برداشت کر رہے ہوں ورنہ اگر حصول زر ہی مقصد ہو تو؟

یہاں نظرانداز کرنے کی پالیسی ایک بڑی خرابی کو ہوا نہیں دے گی۔ کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کے لئے غلط اور بیہودے رویے اپنائے جائیں، لیکن حکمت کے ساتھ بہرحال برائی کو ختم کرنے کی کوشش تو کرنی ہی ہوگی۔

معاشرے میں بعض نام نہاد بزرگ قسم کے لوگ (جو بالعموم کردار کے نہایت گندے ہوتے ہیں)۔ اپنی مقصد برآری کرتے رہتے ہیں۔ قلمکار، خطباء، اور دعاۃ مصلحت کی چادر لپیٹ کر ان کو نظرانداز کر دیتے ہیں اور پھر معاملہ یہ ہوتا ہے کہ عوام بھی حقیقت کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ برائیوں کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتے چلے جاتے ہیں۔ اوہام پرستی اور گورکھ دھندوں کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ نظرانداز کرنے کی پالیسی کسی حد تک کارگر ہوتی ہے بطور خاص اس وقت جب کسی کی طرف سے شخصی طور پر کوئی زک پہنچ رہی ہو۔ ایسی صورت میں نظرانداز کرنا اور چشم پوشی سے کام لینا بلاشبہ عبادت ہے لیکن جہاں معاملہ اس کے برعکس قوم وملت اور شریعت سے لے کر ملک وسماج کا ہو وہاں یہ مصلحت پسندی اور نظرانداز کرنے کا عمل بہت ساری خرابیوں کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیں آپ کا یہ اسوہ واضح طور پر نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتی زندگی سے متعلق معاملات میں ہمیشہ نظرانداز کرنے کی پالیسی اختیار کی، لیکن اصول میں آپ ﷺ نے کبھی بھی سوائے زبردست ایکشن لینے کے کوئی نرم رویہ نہیں اپنایا۔ جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاطمہ نامی خاتون کے چوری کرنے پر حد نہ جاری کرنے کی سفارش کی تو آپ ﷺ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور آپؐ نے اپنی کھلی ناراضگی کا اظہار کیا۔ وہیں دشمنان دین نے آپ ﷺ کو سدا اپنے مظالم کا نشانہ بنایا، مگر آپؐ کی پیشانی مبارک پر بل تک نہیں آئے۔

ہمیں ان حقائق کو سامنے رکھنا ہوگا۔ بہت سے لوگ ہمہ وقتی مصلحت کی بات کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اقدام، جرأت اور سچائی کے اظہار کی توفیق نہ ہی ملتی ہے اور نہ ہی وہ کبھی قوم وملت کے لئے کارگر ثابت ہو پاتے ہیں۔ مصلحت اگر حکمت سے قریب تر ہو تو ٹھیک ورنہ جو مصلحت بزدلی پر اتار دے، اس سے تو توبہ ہی بھلی۔ ●●

۱۴ویں لوک سبھا میں سیاسی وانتخابی اتحاد کی پوزیشن

یو پی اے

نمبر شمار	پارٹی	ممبران پارلیمنٹ
۱	کانگریس	۱۵۳
۲	راشٹریہ جنتا دل	۲۴
۳	ڈی ایم کے	۱۶
۴	این سی پی	۱۱
۵	پی ایم کے	٦
٦	جھارکھنڈ مکتی مورچہ	۵
۷	لوک جن شکتی پارٹی	۴
۸	مجلس اتحاد المسلمین	۱
۹	ری پبلکن پارٹی آف انڈیا (اٹھاولے)	۱
۱۰	سکم ڈیموکریٹک فرنٹ	۱
۱۱	انڈین یونین مسلم لیگ	۱
	کل	۲۲۳

یو پی اے حکومت کو باہر سے حمایت دینے والی جماعتیں

نمبر شمار	پارٹی	ممبران پارلیمنٹ
۱	سماجوادی پارٹی	۳۳
۲	نیشنل کانفرنس	۲
۳	بھارتیہ نوشکتی پارٹی	۱
۴	آزاد و مختلف پارٹیوں کے باغی ممبران	۷
	کل	۴۳

یو پی اے سے علیحدہ ہونے والی جماعتیں

نمبر شمار	پارٹی	ممبران پارلیمنٹ
۱	بایاں محاذ	۵۹
۲	بہوجن سماج پارٹی	۱۷
۳	ایم ڈی ایم کے	۴
۴	ٹی آر ایس	۳
۵	پی ڈی پی	۱
	کل	۸۴

این ڈی اے میں شامل جماعتیں

نمبر شمار	پارٹی	ممبران پارلیمنٹ
۱	بی جے پی	۱۳۰
۲	شیوسینا	۱۲
۳	جنتا دل متحدہ	۸
۴	شرومنی اکالی دل	۸
۵	انڈین نیشنل لوک دل	صفر
٦	آسام گن پریشد	۲
۷	راشٹریہ لوک دل	۳
۸	ناگالینڈ پیپلز فرنٹ	۱
	کل	۱٦۴

این ڈی اے سے علیحدہ ہونے والی جماعتیں

نمبر شمار	پارٹی	ممبران پارلیمنٹ
۱	نیشنل کانفرنس	۲
۲	لوک جن شکتی پارٹی	۴
۳	ایم ڈی ایم کے	۴
۴	ڈی ایم کے	۱٦
۵	اے آئی اے ڈی ایم کے	صفر
٦	پی ایم کے	٦
۷	انڈین فیڈرل ڈیموکریٹک پارٹی	۱
۸	ترنمول کانگریس	۱
۹	بیجو جنتا دل	۱۱
۱۰	تیلگو دیسم	۵
	کل	۵۰

بائیں محاذ میں شامل جماعتیں

نمبر شمار	پارٹی	ممبران پارلیمنٹ
۱	سی پی آئی (ایم)	۴۳
۲	سی پی آئی	۱۰
۳	آر ایس پی	۳
۴	فارورڈ بلاک	۳
	کل	۵۹

مجوزہ تیسرے محاذ میں شامل جماعتیں

نمبر شمار	پارٹی	ممبران پارلیمنٹ
۱	سی پی آئی (ایم)	۴۳
۲	بہوجن سماج پارٹی	۱۷
۳	تیلگو دیسم	۵
۴	سی پی آئی	۱۰
۵	ٹی آر ایس	۳
٦	فارورڈ بلاک	۳
۷	آر ایس پی	۳
۸	جنتا دل (ایس)	۲
۹	ہریانہ جن ہت کانگریس	۱
۱۰	اے آئی اے ڈی ایم کے	صفر
	کل	۸۷

عالمی سطح پر پانی کی قلت پر قابو پانے کے اقدامات کئے جائیں/ماہرین

ماہرین پانی کی کمی سے نمٹنے کے طریقوں پر غور کررہے ہیں۔ وہ سائنسدانوں کی ان پیش گوئیوں پر فکر مند ہیں کہ آبادی میں اضافے کے نتیجے میں خوراک اور توانائی کی ضروریات سے نمٹنے کے لیے پانی کی مانگ میں اضافہ ہوجائے گا آبی وسائل سے متعلق بہت سے ماہرین کا کہنا ہے کہ پانی کے وسائل کے بہتر انتظام سے ان چیلنجوں کا مقابلہ کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ ماہرین کو اندیشہ ہے کہ عالمی اقتصادی بحران کے نتیجے میں دنیا بھر میں آبی وسائل پر سرمایہ کاری میں کمی آسکتی ہے۔ بہت سے ماہرین عالمی عطیات دہندگان سے اپیل کررہے ہیں کہ وہ اپانی معیشتوں کی بحالی کے لیے تیار کیے گئے امدادی منصوبوں میں پانی کے انفراسٹرکچر کو بھی شامل کریں۔ ماہرین نے قومی اور مقامی حکومتوں کے لیے کچھ تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ ان میں سے ایک پانی کی ترسیل اور اسے پینے کے قابل بنانے کیلئے کمیونٹی کے مقامی گروہوں اور مقامی تاجروں کو چھوٹے پیمانوں پر مالی معاونت اور قرضوں میں اضافہ ہے۔ مارگریٹ کیتھی کارلسن نے گوبل واٹر پارٹنرشپ کی سابق چیئرپرسن اور آج کل اس کی سرپرست ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ چھوٹے پیمانے پر مالی معاونت ان منصوبوں کے لیے بہترین ہوتی ہے جن کے نتائج جلد ظاہر ہوں۔ ماہرین پانی کے ان منصوبوں کو چلانے کیلئے حکومتی انتظام کو بہتر بنانے کی ضرورت پر بھی زور دے رہے ہیں، خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں مالی معاونت محدود ہے۔ انٹرنیشنل واٹر اینڈ سینی ٹیشن سینٹر یعنی آئی آر سی کے پروگرام آفیسر سٹف سمٹس کہتے ہیں کہ بعض اوقات مقامی کمیونٹیز کے پاس منصوبہ بندی اور نفاذ سے متعلق تکنیکی ماہرین کا فقدان ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے کچھ ملک مقامی، صوبائی او وفاقی حکومتوں کے درمیان فرائض تقسیم کرلیتے ہیں۔ آبی وسائل کے کچھ ماہرین پانی کی ترسیل کی سہولیات کو بہتر بنانے کے لیے اس کی مرکزیت پر زور دیتے ہے۔ ترقی پذیر ملکوں کو اپنے آبی وسائل ے انتظام وانصرام میں مدد کیلئے کام کرنے والے ایک بین الاقوامی نیٹ ورک، گلوبل واٹر پارٹنر شپ کے مشرقی افریقہ کیلئے کوآرڈی نیٹر سائمن تو کہتے ہیں کہ زراعت کی وزارتوں سمیت، عوامی اداروں کو مضبوط بنانے کی ضرورت ہے۔ حالیہ برسوں میں مقامی غیر سرکاری تنظیموں نے ان اداروں کے ساتھ تعاون میں اضافہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بہتر نتائج کیلئے غیر سرکاری اداروں کے دائرہ کار کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تعلیم اور شہری سہولتوں میں اضافے سے اخراجات میں کمی اور کارکردگی میں اضافہ ہوسکتا ہے، کیونکہ تعلیم میں اضافے سے خاندانوں کے سائز میں کمی آئے گی اور اس سے پانی کے وسائل پر دباؤ کم ہوگا کچھ ماہرین کہتے ہیں کہ پانی کے پراجیکٹس کی منوبہ بندی سے کارکردگی بہتر ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر گزشتہ ہفتے استنبول ترکی میں منعقد ہونے والے پانچویں ورلڈ واٹر فورم میں شرکاء نے اس بات پر زور دیا کہ ہائیڈرو الیکٹرک ڈیموں کے پانی کو سیلابی میدانوں میں ذخیرہ کیا جاسکتا ہے۔ اس اجلاس میں پارلیمنٹرین نے پانی کے پراجیکٹس کی نگرانی کیلئے مزید قانون سازی کی ضرورت پر زور دیا۔ اس کے جواب میں ورلڈ واٹر کونسل نے کہا کہ وہ ان کیلئے بہترین عالمی ضابطہ کار اور قوانین کیلئے ایک ڈیٹا بیس تیار کریں گے۔ کونسل نے کہا کہ وہ ایک مستقل ہیلپ ڈسک بھی تشکیل دے گی جو دو دن سے لے کر دس روز کے عرصے کے دوران سوالات کے جواب دے گا۔ ●●

جنوبی تھائی لینڈ میں مسلمانوں کی پوزیشن

فائزن ڈا

تھائی لینڈ سے باہر رہنے والے لوگ اکثر اسے ایک ایسا ملک سمجھتے ہیں جس کا معاشرہ یک رنگ ہے لیکن اگر قریب سے جائزہ لیا جائے تو اس میں بہت تنوع نظر آتا ہے۔ اگر چہ تھائی عوام کی اکثریت بدھ مت کی پیروکار ہے جو یہاں کا غیر سرکاری مذہب ہے۔ تاہم یہاں عیسائی، کنفیوشس کے ماننے والے، ہندو، یہودی، سکھ اور تاسٹ بھی قابل ذکر تعداد میں موجود ہیں جبکہ ایک اندازے کے مطابق تھائی لینڈ کی تقریباً چھ کروڑ چالیس لاکھ کی آبادی میں دس فیصد لوگ مسلمان ہیں۔ چینی النسل باشندوں کے بعد تھائی لینڈ میں مسلمان سب سے بڑی اقلیت ہیں۔ کچھ مسلمانوں کا تعلق فارسی، کیم (کمبوڈیائی)، بھارتی، پاکستانی اور چینی پس منظر سے ہے تاہم اکثریت ملاوی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ اس نسل کے لوگ ملاوی جزیرہ نما، ساترا کے بعض علاقوں، بورنیو کے جزیرے اور رملانشیا میں آباد ہیں۔ تھائی لینڈ میں مسلمان ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہیں تاہم زیادہ تر ملاوی مسلمان جنوب میں ملائشیا کے ساتھ لگنے والے صوبوں پٹانی، یالا، نراتی وات، سونگ کلا اور ساتون میں رہتے ہیں۔ غیر ملاوی مسلمانوں کے برخلاف، جو تھائی معاشرے میں جلد گھل مل گئے، ملاوی مسلمانوں کو تھائی لینڈ کی عمومی ثقافت میں رچنا بسنا اور اس کا حصہ بننا مشکل لگا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سی علیحدگی پسند تحریکیں شروع ہوگئیں جنہیں دبانے کے لیے تھائی حکومت نے جو اقدامات کیے ان کے نتیجے میں کئی شروں سے تشدد کی لہر جاری ہے۔ تشدد کی حالیہ لہر نے اس مسئلے کا متبادل حل تلاش کرنے کی فوری ضرورت کو ایک بار پھر اجاگر کردیا ہے۔ اس حوالے سے ایک انداز فکر یہ ہے کہ مسلمانوں کو تھائی معاشرت میں جذب اور ضم کرنے کیلئے وضع کی گئی ان پالیسیوں پر نظرثانی کی جائے جن پر جنوبی علاقوں میں تھائی لینڈ کی حکومت کئی دہائیوں سے عمل کررہی ہے۔

تھائی مملکت وجود میں آنے سے پہلے بھی ملاوی مسلمان اس جگہ آباد تھے جو آج کل تھائی لینڈ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ انہیں تھائی قلمرو میں اٹھارہویں صدی کے دوسرے نصف میں شامل کیا گیا تھا۔ لیکن ملاوی مسلمان اس الحاق کے مخالف تھے کیونکہ وہ ایک خودمختار مسلم سلطنت کے تحت رہتے آئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ انہیں ملاوی سلطنت میں ضم کیا جائے یا پھر انہیں خود اپنی حکومت قائم کرنے کی اجازت دی جائے۔ پیول سونگ کھرام کے زیر قیادت نیشنلسٹ پارٹی ۱۹۴۰ء کی دہائی میں ملاوی مسلمانوں کو ضم کرنے کے لئے بہت شدید پالیسیاں نافذ کیں جس سے ان کے اندر پہلے سے موجود نفرت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ حکومت نے یہ کوشش بھی کی کہ طاقت کے بل پر انہیں اپنے دونوں تشخص یعنی مسلم اور ملاوی، چھوڑنے پر مجبور کردیا جائے۔ حکومت نے ملاوی خواتین کے اسکرٹ جیسا روایتی لباس پہننے اور سرڈھانپنے پر بھی پابندی لگادی۔ ان مسلمانوں کو ملاوی زبان بولنے سے بھی منع کردیا گیا اور ان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اسلامی ناموں کی بجائے تھائی نام اختیار کریں۔ مسلمانوں کو اسلامی طریقے سے عبادت کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی جس کا جواز یہ پیش کیا گیا تھا کہ تھائی لینڈ کا غالب مذہب بدھ مت ہے۔ حکومت نے مسلمانوں کے عائلی امور نمٹانے کے لئے قائم اسلامی عدالتوں کو بھی تحلیل کردیا اور سرکاری اسکولوں میں ملاوی طلباء کو بدھا کی شبیہ کو تعظیم دینے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ جن لوگوں نے ان پالیسیوں پر عمل کرنے سے انکار کیا، انہیں گرفتار کرلیا گیا اور بعض کو تشدد کا نشانہ بھی بنایا گیا۔ اس پالیسی نے تھائی حکومت اور جنوب میں رہنے والے مسلمانوں کے درمیان تعلقات پر تباہ کن اثرات مرتب کئے۔ اگرچہ ان پالیسیوں کو بعدازاں ختم کردیا گیا لیکن جو چیز کئی دہائیوں میں تبدیل نہیں ہوئی وہ سنگاپور میں قیام پذیر جنوب ایشیائی امور کے ماہر مائیکل ویٹی کوٹس کے الفاظ میں ''تھائی حکومت کا یہ تسلیم کرنے پر رضامند نہ ہونا ہے کہ اس مسئلے کی تہہ میں انتہائی گہرے سماجی اور ثقافتی عوامل کارفرما ہیں''۔ اگرچہ حکومت نے بعض تعمیری سرگرمیوں کے لئے کوششیں کی ہیں لیکن بہت سی پالیسیوں کی ثقافتی بے حسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ تفہیم کا فقدان ابھی تک موجود ہے۔ مثال کے طور پر سابق وزیراعظم تھاکسن سناوترا کی حکومت نے جنوبی علاقوں کے طلباء کے لئے وظائف کا اعلان کیا جن کی تقسیم کیلئے لاٹری کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ لیکن ملاوی مسلمان اس طریقے کو جوئے کی ایک شکل سمجھتے ہیں جو ان کیلئے ناقابل قبول ہے۔ جنوبی تھائی لینڈ کے تنازعہ کی بنیادی وجہ انضمام اور انجذاب کی پالیسی ہے۔ اگر نیک نیتی کے ساتھ آگے بڑھ کر اس مسئلے کو سلجھایا نہ گیا تو یہ یونہی سلگتا رہے گا۔ ●●

ماہنامہ پیش رفت کا ابوالمجاہد زاہد نمبر

نئی دہلی۔ تعمیری ادب کا ترجمان ماہنامہ پیش رفت ملک کے ممتاز اردو شاعر اور ادارۂ ادب اسلامی ہند کے بانی حضرت ابوالمجاہد زاہد مرحوم کی گرانقدر علمی وادبی خدمات پر عنقریب ایک خصوصی نمبر شائع کرنے جارہا ہے۔ ماہنامہ کے مدیر نے مرحوم کے قدردانوں اور اردو کے ناقدین سے گزارش کی ہے کہ وہ اپنی تحریریں درج ذیل پتے پر جلد از جلد ارسال فرمائیں تاکہ اس نمبر کو زیادہ سے زیادہ معلومات افزا اور وقیع بنایا جاسکے۔

مدیر پیش رفت

2703، بارہ دری، شیر افگن، بلیماران، دہلی۔ ٦

E-mail: Peshraft@gmail.com

ریاض میں انجمن طلبۂ قدیم

نئی دہلی۔ جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ کے طلبۂ قدیم کی انجمن کے سکریٹری جناب عبدالباری کے ایک اعلان کے مطابق ریاض (سعودی عرب) میں فارغین جامعۃ الفلاح کی اس انجمن کی ایک شاخ قائم کردی گئی ہے جس کے ذمہ دار جناب شکیل احمد فلاحی کو بنایا گیا ہے۔

دعاۃ خواتین کا اجتماع

بھوپال۔ جماعت اسلامی ہند مدھیہ پردیش حلقۂ خواتین کے شعبۂ دعوت کی طرف سے دعاۃ خواتین کا دوروزہ تربیتی اجتماع ۲۱/۲۲/ مارچ کو منعقد ہوا۔ اجتماع میں سکریٹری شعبۂ دعوت مرکز جماعت اسلامی ہند جناب اقبال ملا، جناب ثناء اللہ، محترمہ خالدہ پروین ناظمہ شعبۂ دعوت آندھرا پردیش، محترمہ ناز اسماعیل ناظمہ شعبۂ دعوت مدھیہ پردیش، محترمہ عائشہ بیگم اور دیگر نے مختلف موضوعات پر اظہار خیال کیا۔ اجتماع میں بڑی تعداد میں خواتین نے شرکت کی۔

سیرت رسولؐ پر خواتین کا اجتماع

ڈانگ۔ سیرت رسولؐ کے موضوع پر ۱۴/ مارچ کو منعقدہ خواتین کے ایک جلسہ میں محترمہ رافعہ شمسی سابق پرنسپل جامعۃ الصالحات رامپور اور محترمہ شکیلہ اختر نے اظہار خیال کیا۔ پیلی بھیت میں بھی ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا جہاں ازواج مطہرات کے حالات زندگی پر اظہار خیال کے علاوہ سیرت مقابلہ میں امتیازی نمبرات حاصل کرنے والے بچوں کو انعامات دیے گئے۔

دعائے صحت

● نئی دہلی۔ جناب سید غلام اکبر، سکریٹری مالیات مرکز جماعت اسامی ہند کا گزشتہ دنوں حیدرآباد کے ایک اسپتال میں دل کا بڑا کٹھن اور نازک آپریشن ہوا جو الحمدللہ کامیاب رہا۔ مگر فی الحال وہ اسپتال کی انتہائی نگہداشت والی یونٹ میں ہیں۔ ان کی جلد اور مکمل صحت یابی کی خاطر دعائے صحت کی درخواست ہے۔

رفیق احمد
سکریٹری دعوت ٹرسٹ

مسجد اشاعت اسلام میں خطبۂ جمعہ

انسانیت کیلئے معیار شرف خداترسی ہے

نئی دہلی۔ دنیا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا احسان یہ ہے کہ آپؐ کے ذریعے انسانوں کو ایک عالمی نظریۂ حیات ملا۔ ایک ایسی آئیڈیالوجی ملی جو بلا تفریق قوم وقبیلہ، ملک ووطن اور نسل ورنگ تمام انسانوں کیلئے ہے''۔ مذکورہ خیالات کا اظہار امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے مسجد اشاعت اسلام میں ۲۰/مارچ کے خطبہ جمعہ میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ انسان بالعموم اپنی ذات، بیوی بچوں، خاندان، قوم قبیلہ اور اپنے ملک کے مفاد کیلئے سوچتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں اپنے اہل تعلق کے مفاد کو ترجیح دیتا ہے خواہ اس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ آج کا انسان اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود اس سوچ سے اوپر نہیں اٹھ سکا ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دنیا کو ایک ایسا نظریہ اور فکر ملا جو تمام انسانوں کے لئے تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی رو سے کوئی بھی شخص یا طبقہ محض نسلی، قومی، لسانی، طبقاتی اور جغرافیائی بنیاد پر امتیاز، تفوق اور برتری کا اہل نہیں ہوسکتا بلکہ معیار شرف اور بزرگی تقویٰ وخداترسی ہے۔

مولانا نے اس صورتحال پر افسوس ظاہر کیا کہ جو امت پوری انسانیت کے فائدے کے لئے برپا کی گئی تھی اس کے ذہن میں آج تنگی آگئی ہے۔ آج اس کی ضرورت ہے کہ پوری دنیا کو ایک کنبہ سمجھ کر اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔ وژن اور ہوریزن (افق) میں وسعت لائی جائے، سوچنے کا انداز بدلا جائے اور دنیا کو یہ پیغام دیا جائے کہ ''میں اور تم'' (من وتو) کا فرق مٹا کر ہم سب خدا کے بندے بن کر رہیں۔ اور دنیا کو ہم یہ بتا سکیں کہ نجات او رکامیابی کا راستہ کیا ہے اور دنیا وآخرت میں کیسے سرخرو ہوسکتے ہیں اور ان کے مسائل کیسے حل ہوسکتے ہیں۔

مرکز کا ہفتہ وار پروگرام

معاملات زندگی میں شریعت کی پاسداری لازمی ہے

نئی دہلی۔ مرکز جماعت اسلامی ہند کے ہفتہ وار پروگرام میں ''آپ کا ایمان۔ آپ سے کیا چاہتا ہے'' کے زیرعنوان جناب رفیق احمد اسسٹنٹ سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے ایمان کے تقاضوں میں سرفہرست اللہ کے حضور سچی توبہ، انابت اور استغفار کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ خدا سے کیے گئے عہد بندگی کو استوار کرکے حضرت محمدؐ کی رسالت اور قیادت کو تسلیم کرنا، احکام الٰہی کی اتباع میں زندگی گزارنا اور آخرت کی جوابدہی کے احساس کے ساتھ اپنی تمام توانائیوں، صلاحیتوں اور وسائل حیات کو راہ خدا میں صرف کرنا ایمان کے لازمی تقاضے ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان کو بخشی گئی ارادے اور انتخاب کی آزادی جیسی بیش بہا نعمت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر انسان خود کو خدا کا امین اور ٹرسٹی سمجھے اور اس کی مرضی کے تابع ہوکر زندگی گزارے تو وہ یقیناً نعمتوں بھری اس جنت کا مستحق ٹھہرے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے وعدہ فرمایا ہے۔ دراصل خدا کی بندگی اور اس کی غلامی ہی انسانیت کی معراج ہے۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کی مخلصانہ پیروی کرنے کے ساتھ عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات کا ہر پہلو سے بے لاگ جائزہ لینا اور اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کی فکر کرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ انھوں نے رزق حلال کی طلب، شکوک ومشتبہ اور باطل ذرائع اور غلط ہتھکنڈوں سے اجتناب، امداد باہمی، گھریلو اور معاشرتی زندگی میں ایثار وقربانی، نصح وخیر خواہی، باہمی ہمدردی، مودت ومرحمت اور عفو ودرگزر کو مومنانہ زندگی کے مطلوبہ اوصاف قرار دیا اور شادی، جہیز، وراثت جیسے اہم معاملات زندگی میں احکام شریعت کی پاسداری پر زور دیا۔ انھوں نے فریضۂ دعوت وتبلیغ کا آغاز اپنے گھر اور خاندان سے کرنے، اہل وطن میں اسلام کا صحیح تعارف کرانے، ان کے اندر پائی جانے والی غلط فہمیوں اور شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے کی طرف توجہ دلائی، معروفات کے قیام، منکرات کے ازالے، بھٹکے ہوئے لوگوں کو اخلاص ودلسوزی اور دردمندی سے سمجھانے، خلق خدا کی بے لوث خدمت کرنے اور اتحاد بین المسلمین کی فضا کو فروغ دینے نیز بغض وعداوت، نفرت اور رشک ورقابت کے جذبات سے دل ودماغ کو پاک کرنے پر بھی زور دیا۔ (رپورٹ: عبدالحق فلاحی)

دعوت

ایجنٹ صاحبان متوجہ ہوں

دعوت کا خصوصی نمبر 'جماعت اسامی ہند کے ساٹھ سال' جو تقریباً ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت =/50 روپے ہے۔ ۲۸/ مارچ کا شمار ہوگا۔ ایجنٹ صاحبان اپنی مطلوبہ تعداد سے جلد از جلد مطلع فرمائیں۔ بصورت دیگر سابقہ آرڈر کے مطابق خصوصی شمارے کی کاپیاں بھیج دی جائیں گی۔

منیجر

دعوت

ایک غیر معمولی پیشکش

جماعت اسلامی ہند کے ٦۰ سال

اکابر جماعت کی نظر میں

● جماعت اسلامی ہند کا قیام اور اس کا پس منظر ● نصب العین ● حالات اور مسائل ● ساٹھ سالہ سفر کا اتار چڑھاؤ ● مشکلات اور آزمائشیں ● تجربات ومشاہدات ● خدمات ● اہداف ● ترجیحات ● پیش رفت

جماعت کی دستاویزی پیشکش جس سے ملک میں تحریک اسلامی کی بنیادوں اور اس کی تاریخ کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور تحریک کو مضبوط اور مزید فعال بنانے میں رہنمائی حاصل ہوگی۔

جماعت کی یگانہ روزگار شخصیات

☆ مولانا محمد شفیع مونس ☆ مولانا سید جلال الدین عمری ☆ مولانا محمد سراج الحسن
☆ ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری ☆ مولانا عبدالعزیز ☆ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی
☆ ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی ☆ مولانا محمد ارتضاء الدین حاذق ضیائی سہسرامی

ان حضرات کے علاوہ

● محمد جعفر (نائب امیر جماعت) ● پروفیسر کے اے صدیق حسن (نائب امیر جماعت) نصرت علی (قیم جماعت) سے ان کے میدان کار سے متعلق گفتگو اور ● ڈاکٹر محمد رفعت کی فکرانگیز تحریر

صفحات 250 — تاریخ اشاعت تبدیل ۲۸/مارچ کی بجائے ۴/اپریل ۲۰۰۹ء — قیمت -/50

امریکی جاسوسی ادارے ایف بی آئی کے سوسال

میر بابر مشتاق

ایف بی آئی یعنی فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کا قیام ۱۹۰۸ء میں عمل میں آیا۔ اپنے ۱۰۰ سال پر محیط تجربے کے باعث ایف بی آئی امریکہ کے تمام تحقیقاتی اداروں میں سب سے زیادہ منظم ادارہ ہے۔ اس کی بنیادی ذمہ داری جو اس کو بناتے ہوئے طے کی گئی کہ امریکی عدالتی شعبے کی تحقیقات کے سلسلے میں معاونت کرنا۔ اس وقت اٹارنی جنرل بونا پارٹ اسے عدلیہ کی تحقیقاتی فورس کے طور پر اسپیشل ایجنٹس کی ایک عام فوج کی صورت میں سامنے لائے۔ جسٹس ڈپارٹمنٹ نے عدالتی حدود کے اندر امریکہ کی سکریٹ سروس سے اسپیشل ایجنٹوں کو وفاقی کریمنل لا کی خلاف ورزیوں کی تحقیقات کے لئے لیا ۱۹۰۹ء میں جنرل وکرشیم نے اسپیشل ایجنٹ فورس کو بیورو آف انوسٹی گیشن کا نام دیا۔ نام کی تبدیلی کا سلسلہ مختلف ادوار میں جاری رہا یہاں تک کہ ۱۹۳۵ء میں اسے اے ایف بی آئی کا نام دیا گیا۔

ایف بی آئی کی موجودہ ذمہ داریوں میں امریکہ کے وفاقی فوجداری قوانین کی خلاف ورزی کی تفتیش کرنا، امریکہ کو غیر ملکی جاسوسوں اور دہشت گردانہ سرگرمیوں سے بچانا اور امریکی حکومت اور تمام متعلقہ وفاقی لوکل ایجنسیوں کو ضروری معلومات مہیا کرنا۔ ایف بی آئی نیٹ ورک کے لحاظ سے امریکہ کی سب سے بڑی اور پرانی انٹلی جنس ایجنسی ہے جس کا ہیڈ کوارٹر واشنگٹن ڈی سی میں چار دفاتر ۵۶ فیلڈ دفتر اور تقریباً ۴۰۰ سٹلائٹ دفاتر جو ریزیڈنٹ ایجنسیوں کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

ایف بی آئی اے کے پاس تقریباً ۱۱ ہزار اہلکار فیلڈ ورک میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ایف بی آئی کا سالانہ بجٹ ۳ ارب تیرہ کروڑ ۸ لاکھ ۸۱ ہزار ڈالر ہے ایف بی آئی کے سب سے پہلے سربراہ اسٹینلے فنچ تھے۔ وہ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۲ء تک اس ادارے کے سربراہ رہے اس کے بعد الگزینڈر، ولیم ای ایلن، ولیم جے فلائن، ولیم جے برنز، ایڈگر ہور، پیٹرک گرے، ولیم ڈی، کلارنس کیلی، ولیم ایچ پلسنر، جان اوٹو، ولیم ایس سین، فلائیڈ آئی کلارک، لوئیس جے فرنچ اور تھامس جے پکرڈ بھی مختلف ادوار کے سربراہ ہیں۔

ایف بی آئی کا ہیڈ کوارٹر:

۱۹۰۸ء سے ۱۹۷۵ء تک ایف بی آئی کے دفاتر وزارت انصاف کی بلڈنگ میں تھے۔ ۲/جنوری ۱۹۵۳ء میں کانگریس نے ایف بی آئی کے علاحدہ دفتر کی منظوری دے دی جنرل سروسز ایڈمنسٹریشن نے بلڈنگ کے ڈیزائن کے لئے ایک کروڑ ۲۲ لاکھ ۶۵ ہزار ڈالر کی منظوری دی جب کہ عمارت کی تعمیر پر ۶ کروڑ ڈالر کا اندازہ لگایا گیا۔ ۲/جنوری ۱۹۶۳ء کو جنرل سروسز ایڈمنسٹریشن نے پنسلوانیا ایونیو میں ایف بی آئی کی عمارت کے لئے جگہ کی منظوری دی عمارت کے لئے جو جگہ خریدی گئی 41.17 ڈالر فی اسکوائر فٹ کے حساب سے ادائیگی کی گئی۔ پنسلوانیا ایونیو ایڈوائزری کونسل ۱۹۶۴ء میں ایف بی آئی کی عظیم عمارت کا خاکہ منظر عام پر لائی۔ پوری بلڈنگ کا ڈیزائن لفظ E سے مشابہ ہے اس ڈیزائن کی وجہ سے ایک مرکزی جگہ سے پورے دفتر پر نظر رکھی جاسکتی ہے۔

ایف بی آئی کے اہم شعبے:

(۱) ایڈمنسٹریٹو سروسز ڈویژن ایف بی آئی کے تمام انتظامی امور کو کنٹرول کرتا ہے۔

(۲) فنانس ڈویژن: فنانس ڈویژن ایف بی آئی کے تمام شعبہ جات کے مالی امور بجٹ اور مالی پلاننگ کا ذمہ دار ہے ہر قسم کی خرید و فروخت بھی اسی ڈویژن کے ذمہ ہوتی ہے۔

(۳) انفارمیشن ریسورسز ڈویژن: اس شعبے کی ذمہ داریوں میں ایف بی آئی کے اندر تمام امور سے متعلق اطلاعات اور معلومات اکٹھی کر کے مختلف شعبہ جات تک پہنچانا ہے۔

(۴) ریکارڈ مینجمنٹ ڈویژن: یہ ڈویژن حال ہی میں قائم کیا گیا ہے اس کے ذمہ ہر قسم کے ریکارڈ کو اپ ڈیٹ کر کے رکھنا شامل ہے۔

(۵) کاؤنٹر انٹیلی جنس ڈویژن: ایف بی آئی کے اس شعبہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قومی سلامتی کو درپیش خطرات کی نشاندہی کر کے ان کو ناکام بنائے۔ یہ ڈویژن دنیا بھر کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی کارکردگی کو جمع کر کے ان کی چھان بین کرتا ہے اور ان کے توڑ کی تدابیر اختیار کرتا ہے۔ یہ شعبہ ان ممالک اور ان تنظیموں پر بھی نگاہ رکھتا ہے جو امریکہ اور اس کے عوام کی سلامتی کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایف بی آئی کے دیگر اہم شعبہ جات یہ ہیں۔

کاؤنٹر ٹیررازم ڈویژن، سیکورٹی ڈویژن، آفس آف دی انٹیلی جنس، کرمنل انوسٹی گیشن، سائبر کرائم ڈویژن، لاء انفورسمنٹ سروسز گروپ، کرمنل جسٹس انفارمیشن سروسز ڈویژن، لیباریٹری ڈویژن، آفس آف دی انٹرنیشنل آپریشنز، ٹریننگ ڈویژن۔

ایف بی آئی اور سفارت کار:

ایف بی آئی کی کارروائیوں سے نہ صرف عام آدمی بلکہ اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز سفارت کار بھی نالاں ہیں کیونکہ امریکہ میں ایف بی آئی سفارت کاروں کو بلیک میل کر کے اپنی بات منوانے کے لئے گھٹیا طریقے اختیار کرتی ہے امریکہ میں اقوام متحدہ سمیت تمام عالمی اداروں کے دفاتر ہیں اس لئے تمام دنیا کے سفارت کار یہاں موجود ہیں یہ سفارت کار ایف بی آئی سے اس قدر نالاں ہیں اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے جو ایک ایرانی سفارت کار کے ساتھ پیش آیا۔

اقوام متحدہ میں ایران کے سفیر سعید رجائی امریکہ اور اسرائیل کی نظروں میں کانٹا بن کر کھٹکتے ہیں اس کی وجہ یہ تھی سعید رجائی اقوام متحدہ میں امریکہ اور اسرائیل کی زیادتیوں کو منظر عام پر لاتے اور امریکی حکومت کے لئے ناقابل برداشت تھا کہ کوئی ان کی اقوام متحدہ کے فورم پر مخالفت کرے سعید رجائی کو سبق سکھانے کے لئے یہ کیس امریکہ نے ایف بی آئی کے سپرد کیا ایف بی آئی نے باقاعدہ پلاننگ کے ساتھ ایرانی سفارت کار پر نیویارک کے ایک اسٹور سے برساتی (Raincoat) چوری کرنے کا الزام لگا دیا۔

۷/مئی ۱۹۸۶ء کو سعید رجائی ہیٹن کے الگزینڈر ڈیپارٹمینٹل اسٹور میں گئے رجائی کے بقول انہوں نے ۹۹،۹۵ ڈالر قیمت والی برساتی پسند کی اور اسے پہن کر قریب ہی دیوار پر لگے ہوئے ایک شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ یہ برساتی ان کے بدن پر سجتی ہے یا نہیں کہ اچانک اسٹور کا نگراں ان پر جھپٹ پڑا۔ سفیر رجائی نے پوچھا یہ سب کیا ہے مگر اس نے کہا کہ آپ کو میرے ساتھ تہہ خانے میں منیجر کے دفتر میں جانا ہوگا۔ ایرانی سفیر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ اس اہلکار کے ساتھ تہہ خانے میں بنے دفتر گئے جہاں ایف بی آئی والے ان کے انتظار میں تھے منیجر نے رجائی پر الزام لگایا کہ وہ اسٹور سے چوری کرتے ہوئے پکڑے گئے ہیں اس لئے وہ پولیس کے پاس رپورٹ کروا رہا ہے۔ اس پر ایرانی سفیر نے اپنا تعارف کروایا اور اسٹور انتظامیہ سے اس توہین پر احتجاج کیا اور کہا کہ وہ ابھی اسٹور کے اندر تھے وہ ایک قدم بھی باہر نہیں گئے ان پر برساتی کی چوری کا الزام کیسے لگ سکتا ہے ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ ایف بی آئی کے ایجنٹ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور کہا دیکھیں سفیر صاحب یہ سب کچھ یہاں پر ہی ختم ہوسکتا ہے بشرطیکہ آپ ہم سے تعاون کریں۔ اقوام متحدہ اور دوسری جگہ پر اپنا لہجہ نرم رکھیں بصورت دیگر اخبار والوں کو آپ کی چوری کا علم ہوجائے گا۔ جس کے نتائج آپ کے لئے اچھے نہیں ہوں گے۔ ایف بی آئی کے دوسرے شخص نے کہا ہوسکتا ہے آپ کی حکومت آپ کو یہاں نہ رہنے دے۔

ایرانی سفیر نے بات ماننے سے انکار کردیا اور ہر قسم کے نتائج کے لئے تیار ہوگئے۔ اگلے روز تمام پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا میں اس نام نہاد چوری کی خبروں کا سیلاب آگیا۔ سعید رجائی نے جرأت کرتے ہوئے اقوام متحدہ میں پریس کانفرنس بلوائی اور تمام حقائق بیان کئے اور کہا کہ ایف بی آئی والے مجھے مسلسل ہراساں کر رہے ہیں۔ اخبارات میں چوری کی خبر کے بعد اس خبر کو معمولی سی جگہ دی گئی اس صورتحال کے بعد ایرانی سفیر کی حیثیت متنازعہ بن گئی اس نازک حالات میں ایرانی حکومت نے ان کا ساتھ دیا اور اصرار کیا کہ وہ مدت پوری کریں۔

ایسے جھوٹے اسکینڈل بنوانا اور اخبارات میں چھپوا کر مخالف سفیروں خصوصاً تیسری دنیا کے سفیروں کو بدنام کیا جاتا ہے یہ ایف بی آئی کا ایک کردار ہے۔

ایف بی آئی اور سی آئی اے کو ۱۱/ستمبر کے بعد امریکہ میں بڑی تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۱/ستمبر کے واقعہ کا قبل از وقت پتہ نہ چلانے میں ناکامی اور بعد ازاں دنیا بھر میں القاعدہ کے خلاف آپریشن کے باوجود اسامہ بن لادن اور ان کے نائب ایمن الظواہری سمیت سرکردہ ارکان کے گرفتار نہ ہونے سے امریکی عوام اور حکام نئے حملوں کے خوف میں مبتلا ہوچکے ہیں اس خوف کو دور کرنے کے لئے ایک نئے محکمے کا اعلان کیا جس کو ہوم لینڈ سیکورٹی کہا جائے گا۔ اس محکمے کو سرحدوں کی حفاظت کے لئے پالیسی سازی سے لے کر تمام خفیہ معلومات کا جائزہ لینے کا اختیار ہوگا۔

ہوم لینڈ سیکورٹی کے بنیادی فرائض میں سی آئی اے، ایف بی آئی، نیشنل سیکورٹی ایجنسی سمیت خفیہ اداروں کی فراہم کردہ معلومات کا تجزیہ، ایٹمی پلانٹ، پلوں، سڑکوں، بندرگاہوں، ہوائی اڈوں اور دیگر اہم تنصیبات کی حفاظت کرنا شامل ہے اس کا بجٹ ایف بی آئی سے زیادہ ہے۔

ایف بی آئی کے تربیتی مراکز:

ایف بی آئی کے تربیتی کیمپوں اور ان کے تربیت کے حیرت انگیز انکشافات ہوئے۔ ہونگز ایلیے اور ورجینا واشنگٹن سے جنوب میں ۳۰ میل پر واقع چھوٹے سے قصبے ہیں یہاں پر امریکن انٹیلی جنس ایف بی آئی کا تربیتی کیمپ ہے۔ ہونگز ایلیے ۱۹۸۰ء میں آباد کیا گیا اور اس کے بعد یہاں ایف بی آئی کا ٹریننگ کیمپ قائم کردیا گیا۔ قصبے کے گرد و نواح میں آئے دن فائرنگ کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ قصبے میں رہائش پذیر افراد اب اس طرح کی سرگرمیوں کے عادی ہوچکے ہیں۔ اور کوئی توجہ دئے بغیر اپنے اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن قصبے میں نئے آنے والے شخص کے لئے یہ کافی حیران کن ہوتا ہے۔

ایف بی آئی کے تربیتی کیمپ میں بھرتی کئے جانے والے نئے ایجنٹ اکیڈمی میں ۱۸ ہفتے کی تربیت حاصل کرتے ہیں جس کا زیادہ تر حصہ کلاس روم تک محدود رہتا ہے آخری ایام میں وہ تکنیکی مشقوں کے عملی مظاہرے کے لئے ان قصبوں کا رخ کرتے ہیں تربیت کے دوران ایجنٹوں کو ہتھیار چلانے اور خود کو زیادہ سے زیادہ محفوظ رہنے کے بارے میں بھی نشانہ بازی کروائی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے اصلی گولیاں تو استعمال نہیں کی جاتیں البتہ مختلف رنگوں کی گولیاں ہوتی ہیں۔ جو ایجنٹ تربیت کے ابتدائی مراحل میں ہوتے ہیں یا پھر اچھے نشانہ باز نہیں ہوتے انہیں نیلے رنگ کی گولیاں جب کہ اچھے نشانہ باز کو گلابی رنگ کی گولیاں دی جاتی ہیں اس طرح مرحلہ وار ان کو حملے کی تربیت اور دفاعی طریقوں سے بھی مکمل آگاہی دی جاتی ہے۔ انہیں بلٹ پروف جیکٹ کے استعمال کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔ ایف بی آئی کا شمار دنیا کی چند پیشہ ورانہ مہارت رکھنے والی خفیہ ایجنسیوں میں ہوتا ہے۔ نائن الیون کے بعد یہ ایجنسی ملک کے اندر اور ملک سے باہر کافی متحرک ہوئی ہے بدنام زمانہ گوانتاناموبے میں ایف بی آئی کے ایجنٹ وہاں پر مظلوم و محکوم قیدیوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں انسانی حقوق کے دعوے دار گوانتاناموبے میں مظلوم مسلمانوں پر بدترین تشدد کر کے انسانی حقوق کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں۔

ایف بی آئی اور مسلم دنیا:

۱۱/ستمبر کو امریکن ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی تباہی کے بعد امت مسلمہ پر مصائب کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوچکا ہے اب ہر قسم کی دہشت گردی کو مسلم دنیا کے ساتھ جوڑا جارہا ہے امریکہ اور اس کے اتحادی دہشت گردی کا نعرہ لگا کر امت مسلمہ کے اردگرد گھیرا تنگ کر رہے ہیں۔ امریکہ نے دنیا کے ۲۵ ممالک کو دہشت گرد قرار دے دیا ہے ایف بی آئی نے اپنے ایجنٹوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ ان ممالک میں اپنی تخریبی کارروائیاں تیز کردیں۔ جس کے نتیجے میں افغانستان اور عراق میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی دہشت گردی سے لاکھوں افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ ان ملکوں کو بارود کا ڈھیر بنا دیا گیا ہے۔ امریکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں مسلمانوں کے وسائل پر قابض ہو رہا ہے اور ایف بی آئی اس کے ہر اول دستے کا کام کررہی ہے۔ اس کو غیر قانونی غیر اخلاقی کارروائیوں نے مسلم دنیا کا چین لوٹ رکھا ہے۔ اس کے گھناؤنے کردار کو کبھی امریکہ میں بھی منظر عام پر نہیں لایا گیا ہے۔ اس وقت امریکہ کے اندر ۸۰ لاکھ مسلمان ہیں اسلام امریکہ کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔ ۱۱/ستمبر کے واقعہ کے بعد ۴۰ ہزار افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔ اور لاکھوں کے دلوں میں اسلام کو جاننے اور سمجھنے کی جستجو پیدا ہوئی ہے۔

ایف بی آئی کا ناپاک وجود:

۱۹۰۸ء میں بننے والی امریکہ کی خفیہ دہشت گرد تنظیم ۲۰۰۸ء میں سو سال پورے کرچکی ہے یہ سو سال دنیا میں بے چینی، بے سکونی قتل و غارت، دہشت گردی اور دنیا کا امن غارت کردینے کے سو سال ہیں۔ ●●

دہشت گردی کی امریکی پالیسی اب کانگریس حکومت کی پالیسی ہو گی!

سید وسیم الدین، حیدرآباد

سابقہ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کی قیادت میں ہند و امریکی نیوکلیر معاہدے کے اثرات میں ہند امریکی باہمی تعلقات کے مستقبل کا امکانی جائزہ لیتے ہوئے خارجی امور کے ماہرین اپنے طور پر یہ اندازہ لگا چکے تھے کہ جس طرح بھارتیہ جنتا پارٹی سے وابستہ سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کی (سابقہ) این ڈی اے حکومت نے اپنے ایجنڈے کی شق پر عمل آوری کے لئے اسرائیل سے تعلقات کو مفید جانتے ہوئے بعض شعبوں میں خصوصاً اپنی داخلہ پالیسی کی تدوین کے لئے اسرائیل سے بہت کچھ سیکھا تھا بہت کچھ مستعار لیا تھا۔ (1) " B J P led (C P Govemment Election " (2) " Bhambhi , 2000) Coalition Politics in India : Problems and Prospects " edited by Mahendra Prasad Singh & Anil Mishra, 2004) میں کہا گیا تھا کہ سابقہ این ڈی اے حکومت کے دوران وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی وزیر خارجہ جسونت سنگھ اور وزیر داخلہ ایل کے آڈوانی کی قیادت میں یہ مناسب سمجھا گیا تھا کہ فلسطین اور عرب ممالک سے بہتر اور گہرے تعلقات کے بجائے اسرائیل سے گہرے روابط کے عمل کو تیز تر کردیا جائے اور خاص شعبوں میں اسرائیل سے تعاون و اشتراک اور تہذیبی لین دین کو آگے بڑھایا جائے تاکہ دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ سے پیدا شدہ حالات سے اور زندگی کے تمام شعبوں میں مسلم دنیا کے اندرونی تضادات، باہمی اختلاف و انتشار سے فائدہ اٹھایا جائے اور ملک میں ایسی آئیڈیلوجی کے پھیلاؤ کے عمل کو اور تیز کردیا جائے جس سے ملک کے ایک مخصوص طبقہ کو وحدت مل جائے۔

اپنے مخصوص سیاسی اور غیر سیاسی رجحانات یا مختصر الفاظ میں اپنی مخصوص آئیڈیلوجی کے سبب بھارتیہ جنتا پارٹی سے وابستہ سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کی (سابقہ) این ڈی اے حکومت نے اپنی خارجہ پالیسی میں جنوبی ایشیائی خطے میں دہشت گردی کے انسداد کو شامل کرلیا تھا جس کی بناء پر سابقہ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش سے یہ خواہش ظاہر کی گئی تھی کہ چونکہ بھارت بھی دہشت گردی کا مسلسل شکار رہا ہے اس لئے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں وہ بھی امریکہ کا حلیف بننا چاہتا ہے اور وہ بھی افغانستان میں (اسلامی خلافت اور اسلامی جہاد پر یقین رکھنے والے) دہشت گرد طالبان کے خلاف امریکی حملے میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مخصوص آئیڈیلوجی کی بناء پر سابقہ این ڈی اے حکومت نے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی وزیر خارجہ جسونت سنگھ اور وزیر داخلہ ایل کے آڈوانی کی قیادت میں ہندوستان کی داخلہ اور خارجہ پالیسیوں میں اسرائیل کے ساتھ امریکہ بھی شامل ہوگیا تھا۔ " B J P led Government Election "(C P Bhambhi , 2000) میں یہ تسلیم کیا گیا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کو اور اس کی (بعض سیاسی جماعتوں کے نزدیک اس کے ہندوتو نظریے کے منفی اثرات سے محفوظ رکھنے کی خاطر) اقتدار سے دور رکھنے کے مقصد سے کانگریس کی یو پی اے حکومت اور اس کی حلیف سیاسی قومی جماعتوں میں چند نکات پر مشتمل پالیسی بنائی گئی تھی جس میں ملک کی داخلہ اور خارجہ پالیسیاں شامل تھیں جس میں امریکہ روس اور چین سے توازن کی بنیاد پر پالیسی کے اصول پر اتفاق کیا گیا تھا۔ مگر ایک مدت گزر جانے کے بعد حکومت میں شامل بعض قومی پارٹیوں کو یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ مخلوط حکومت ہونے کے باوجود کانگریسی حکومت اپنے ایجنڈے پر کاربند ہوتے ہوئے امریکہ سے گہرے روابط بڑھانے میں لگی ہوئی ہے جب کہ ہندوستان سے روس سے گہرے روابط اپنی اساس کھوتے جارہے ہیں۔ چنانچہ یو پی اے کی کانگریسی حکومت اپنے ایجنڈے میں اس طرح سے کامیاب ہوئی کہ کانگریسی وزیر اعظم ڈاکٹر من موہن سنگھ اور سابقہ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش میں نیوکلیر معاہدہ اس اعلان کے ساتھ مکمل ہوا کہ ہندوستان امریکہ کا strategic partner ہے۔ نئی دہلی میں منتخب افراد کی موجودگی میں بہت ہی نفیس سوٹ میں امریکی سابقہ صدر کو آخرکار یہ اعلان کرنا پڑا کہ ہندوستان امریکہ کا strategic partner ہے جبکہ دہشت گردی کی جنگ میں پاکستان امریکہ کا حلیف ہے۔

نیوکلیر معاہدہ اور strategic partner کے درمیان میں جو نظریاتی فکری اور عملی قربت ہے اور اس قربت کی جو وسعت اور معنویت ہے اس کے اندازے کے لئے وزیر داخلہ پی چدمبرم کا راجیہ سبھا میں دیا گیا بیان ہی کافی ہوگا۔

راجیہ سبھا میں کانگریسی وزیر داخلہ پی چدمبرم (حکومت میں جن کی وزارت کا ریکارڈ بہ طور وزیر فینانس رہا ہے) نے بیان دیتے ہوئے اپنے ملک کی شہریوں کو آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان 11 ستمبر 2001 کے دہشت گرد حملوں کے بعد امریکہ کی جانب سے اختیار کی گئی مخالف دہشت گردی حکمت عملی کی طرز پر ملک میں ہو بہو اسی انداز میں حکمت عملی ترتیب دینے کی کوشش کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کی مخالف دہشت گردی حکمت عملی کا مطالعہ کرنے کے لئے ایک ٹیم امریکہ گئی تھی۔ ہندوستانی ٹیم نے 9/11/2001 کے حملوں کے تناظر میں امریکہ کی جانب سے اختیار کردہ پالیسیوں کا جائزہ لیا۔ اب یہ ٹیم اپنے مطالعہ کو مکمل کر کے امریکہ سے ہندوستان واپس ہوچکی ہے۔ حکومت کی جانب سے یہ کوشش کی جارہی ہے کہ (ہندوستان میں) امریکی پالیسی کو روبہ عمل لایا جائے۔

ممبئی دہشت گردی حملے کے فوری بعد 16 Dec 2008 میں پارلیمنٹ اور راجیہ سبھا میں جو دو بل (National Investigation Agency (NIA) اور Unlawful Activities (Prevention) Bill 2008 پاس کئے گئے تھے۔ وہ بھی سابقہ امریکی وزیر داخلہ مس کے رائس کے پیش کردہ امریکی سیکوریٹی بل سے مستعار معلوم ہوتے ہیں کیوں امریکی سیکوریٹی ایکٹ میں اور ہندوستان کے بلوں میں تصوراتی طور پر یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً دونوں بلوں میں دہشت گردوں سے وابستہ تنظیموں اور تحریکوں کے فنڈز کے متعلق تحقیقات کو اہمیت دی گئی ہے۔

چونکہ ہندوستان کی یو پی اے کانگریسی حکومت بیان چکی ہے کہ وہ امریکہ کی strategic partner ہے، لہٰذا ہندوستان کے وزیر داخلہ کیلئے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ اپنے ملک کی سیکوریٹی پالیسی میں اور اس پر عمل آوری کے لئے امریکی پالیسی سے استفادہ کرے اور پالیسی میں ان عناصر کو شامل کرے جن سے ملک میں دہشت گردی کے متعلق سرگرمیوں کا خاتمہ ہو۔ ہندوستان کی وزارت داخلہ کے ماہرین اور عہدیداروں کو یہ علم ہوگا کہ سابقہ امریکی وزیر داخلہ مس کے رائس کے پیش کردہ امریکی سیکوریٹی بل کی کامیابی کا تصور محدود ثابت ہوا ہے۔ اس سلسلے میں سابقہ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نظم و نسق کے ایک عہدیدار کا بیان بھی کافی اہمیت رکھتا ہے جس سے یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کامیابی کے حصول کے لئے بہ قول کارل مارکس سوسائٹی کے سوپراسٹرکچرز (super-structures) میں ایسے سیاسی، معاشی، اقتصادی اور انسانی (اخلاقی) اقدار کا پایا جانا ضروری ہے جس سے سماج کے سبھی افراد ملک کے اجتماعی نظام کے لئے افادی productive ثابت ہوں جب کہ

(1) "Contemporary Politcs of Identity , Religion and Secularism " Complied by Uday Mehta , 1999)

(2) "Coalition Politics in India : Problems and Prospects " edited by Mahendra Prasad Singh & Anil Mishra, 2004)

میں یہ حقیقت بیان کی گئی کہ ہندوستان میں زندگی اور تہذیب کے تقریباً تمام شعبوں میں داخلی طور پر بے شمار تناؤ conflicts اور بے شمار تضادات contradictions کا شکار ہے۔

آخر میں یہ کہنے کی حاجت نہ ہوگی کہ دہشت گردی کی امریکی پالیسی سے مستعار ہندوستانی پالیسی کس کے خلاف استعمال ہوگی؟ ●●

ترکی، مغرب سے دُور ہو رہا ہے؟

ابن رضا

کیا ترکی، امریکہ اور مغرب سے دور جارہا ہے؟ یہ وہ خدشہ ہے، جو آج کل واشنگٹن اور تل ابیب کے پالیسی سازوں کے ذہنوں میں جنم لے رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عرصۂ دراز تک انقرہ، اسرائیل اور عرب کے درمیان رابطہ پل کا کردار ادا کرتا رہا ہے، شام اور اسرائیل کے درمیان امن مذاکرات میں دونوں ممالک کی باہمی رضامندی ہی سے ترکی نے ثالثی کا کردار ادا کیا، عراق میں امریکی جنگ میں انقرہ، واشنگٹن کا اتحادی بھی ہے۔ مگر غزہ میں اسرائیلی جارحیت کے بعد ترکی کے رویے میں واضح تبدیلی نظر آتی ہے۔ ڈیوس کانفرنس میں اسرائیلی صدر، شمعون پیریز کو معصوم فلسطینی بچوں کے قتل عام کا ذمے دار قرار دے کر اجلاس کا بائیکاٹ کرنے کے بعد جب ترکی کے وزیر اعظم طیب اردگان کو، استنبول واپسی پر فقید المثال استقبال کے ذریعے خوش آمدید کہا گیا، تو یکایک ترک وزیر اعظم نہ صرف ترک قوم، بلکہ پوری مسلم امہ کے ہیرو بن گئے۔ انقرہ اور تل ابیب کے ہمیشہ ہی سے قریبی سفارتی تعلقات رہے ہیں، مگر ترک وزیر اعظم، طیب اردگان کا یہ طرز عمل ظاہر کرتا ہے کہ غزہ میں ۲۲ روزہ جارحیت نے اسرائیل کو کئی اہم حلیفوں سے محروم کردیا ہے۔ ایک جانب تو واہ واہ کی صدائیں ہیں، تو دوسری جانب ترک حکمراں جماعت جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ کے ناقدین کو ایک بار پھر پارٹی پر کیچڑ اچھالنے کا موقع مل گیا ہے ترک حکمراں جماعت پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ترکی کی سیکولر شناخت کو مسخ کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ گزشتہ دنوں تعلیمی اداروں میں طالبات کے اسکارف پر پابندی کے خاتمے کی کوشش میں ترک حکومت خطرے میں آگئی تھی۔ اسی طرح صدر عبداللہ گل کے انتخاب کے موقعے پر، جن کا تعلق بھی حکمراں جماعت سے ہے، یہ اعتراض لگایا گیا تھا کہ ان کی بیگم نے کسی تقریب میں اسکارف میں شرکت کی تھی۔ اس سے قبل بھی اے کے پارٹی کی حکومت کو ۱۹۹۶ء ۱۹۹۸ء میں اسلام پسند ہونے کا الزام لگا کر، برطرف کیا جاچکا ہے۔ ہر دفعہ طیب اردگان کی پارٹی نام بدل کر انتخاب میں حصہ لے کر کامیابی حاصل کرلیتی ہے۔ دنیا میں جمہوریت کے علمبرداروں کے لئے اے کے پارٹی کی جدوجہد ایک سوالیہ نشان ہے، عوامی تائید کے باوجود پے درپے پابندیاں، بھلا کہاں کی جمہوریت ہے؟

غزہ میں اسرائیلی جارحیت نے سنگ دل سے سنگ دل انسان کے قلب کو بھی جھنجھوڑ دیا تھا، ایسے میں ترک وزیر اعظم کا رد عمل فطری اور مبنی برحقیقت تھا، کیمرے کی آنکھ نے اسرائیل کا مکروہ چہرہ بے نقاب کردیا، ایسے میں اسرائیل اور امریکہ کے پاس کٹ حجتیکے سوا کچھ نہیں رہا۔ طیب اردگان کے حالیہ اقدام کو امریکہ اور اسرائیل کے متعصب پالیسی ساز، ترکی کی خارجہ پالیسی میں یوٹرن قرار دے رہے ہیں۔ بلکہ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ ترک حکمراں جماعت آہستہ آہستہ اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔ خطے میں ترکی کی حیثیت اور کردار کی وجہ سے امریکہ اور اسرائیل کی تشویش اپنی جگہ، طیب اردگان کی بے باکی نے انہیں عربوں سمیت، دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے امید کی علامت بنا دیا ہے۔ ڈیوس سے واپسی پر ایئر پورٹ پر "دنیا کے نئے عالمی رہنما طیب اردگان" نے اُمت مسلمہ کے اجارہ داروں کو بھی پریشان کر کے رکھ دیا۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کے قتل عام پر خاموش عرب حکمراں، غزہ پر اسرائیلی جارحیت پر بھی کوئی خاص رد عمل ظاہر نہ کرسکے تھے۔ عرب رہنما، میڈرڈ شرم الشیخ، نیویارک اور ڈیوس میں یہودی رہنماؤں کے ساتھ بیٹھے رہے، مگر اسرائیل اور امریکہ کے خلاف سخت الفاظ کا استعمال نہیں کیا۔ طیب اردگان کی عوامی مقبولیت سے خائف عرب ممالک کے وزرائے خارجہ حالیہ ایک اجلاس میں یہ قرار داد منظور کی کہ کسی غیر عرب ریاست کو عرب دنیا کے معاملات میں مداخلت کا کوئی اختیار نہیں۔ واشنگٹن، ترکی اور ایران کے بڑھتے ہوئے تعلقات، خصوصاً کرد باغیوں سے متعلق انٹیلی جنس شیئرنگ پر بھی کافی پریشان ہے۔ ایک امریکی تھنک ٹینک سے گفتگو کرتے ہوئے طیب اردگان کا کہنا تھا کہ "وہ ممالک، جو خود جوہری افزودگی میں ملوث ہیں، انہیں کسی دوسرے ملک کے جوہری پروگرام پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔" دوسری جانب ترکی کے پالیسی سازوں کا کہنا ہے کہ یہ تاثر درست نہیں کہ انقرہ رویہ تبدیل کررہا ہے۔ ہماری خارجہ پالیسی ہمہ جہتی ہے۔ جس میں ملکی مفاد کو پہلی ترجیح حاصل ہے۔ بہرحال امریکہ اور ترکی کے دفاعی نوعیت کے تعلقات بھی ہیں۔ ترکی، عراق اور افغانستان جنگ میں بھی امریکہ کا اتحادی ہے، ترکی کے علاقے انجرلک میں امریکی بیس بھی قائم ہے۔ یہ تاثر بالکل غلط ہے کہ ترکی نے پہلی مرتبہ اسرائیل مخالف رویہ اختیار کیا ہے۔ ترکی، مشرق وسطی سے قربت کی وجہ سے عرصۂ دراز سے یہاں قیام امن کے لئے اپنا کردار ادا کررہا ہے۔ ترکی نے غزہ میں اسرائیلی جارحیت کے خلاف صدائے احتجاج پہلی دفعہ بلند نہیں کی، بلکہ اس سے پہلے بھی ترک وزیر اعظم، شیخ احمد یاسین کے بہیمانہ قتل اور رفح کے مہاجر کیمپ میں قتل و غارت گری کو ریاستی دہشت گردی قرار دے چکے ہیں۔ اس سے پہلے سابق ترک وزیر اعظم بلند ایکویت بھی جنین آپریشن کو فلسطینیوں کو نسل کشی قرار دے چکے ہیں۔ غزہ پر اسرائیلی حملے کے بعد ترکی کے وزیر اعظم طیب اردگان نے فوری طور پر عرب ممالک کا دورہ کیا۔ شام اور اسرائیل کے درمیان مفاہمت کے ساتھ ساتھ ترکی نے حماس کی قیادت کو اسرائیل کے ساتھ جنگ بندی کے معاہدے کو بڑھانے کے لئے بھی کردار ادا کیا۔ طیب اردگان کے خارجہ امور کے مشیر احمت داؤتغلو نے حماس کے جلاوطن قائد خالد مشعل سے دو دفعہ ملاقات کر کے انہیں معاہدے کی توسیع پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، بلکہ دوسری دفعہ احمت نے فرانسیسی صدر نکولس سرکوزی کی خواہش پر حماس رہنما سے ملاقات بھی کی۔ یوں ترکی مسئلہ فلسطین کے حل کے لئے حماس، الفتح، امریکہ، اسرائیل اور عالمی برادری کے ساتھ بہ یک وقت رابطے میں رہا ہے۔ بہرحال، ایک حالیہ سروے کے مطابق، ڈیوس کانفرنس کے بعد ترکی کی حکمراں جماعت اے کے پارٹی کی مقبولیت میں دس فیصد اضافہ ہوا ہے۔ جس کے اثرات لامحالہ مارچ میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات پر بھی مرتب ہوں گے۔ ●●

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in , dawatnews@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2090 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے

ڈاکٹر سید عبد الباری

اس وقت ہمارے ملک کے زوال و انحطاط پر کون ہوگا جو متفکر نہ ہوگا۔ یہ شاید کوئی بہت بڑا المیہ نہیں ہے کہ گاندھی جی کی یادگاروں (چشمہ، چپل، پیالہ وغیرہ) کی امریکہ میں بولی لگانے والا ایک ہندوستانی شراب فروش تھا اور گاندھی جی نے جس شراب کے خلاف عمر بھر آواز بلند کی اور انگریزی حکومت کے زمانے میں مے نوشی سے کنارہ کشی کی تلقین کی اور شراب خانوں پر کانگریسی والنٹیر ز نے دھرنا دیا آج اسی شراب کا ایک تاجر اُن کی ذاتی استعمال کی پاکیزہ اشیاء کو زرکثیر صرف کر کے حکومت کے حوالے کرنے جارہا ہے۔ مگر کیا کیجئے گا، گاندھی کی اخلاق تعلیمات کا کون ساجز سلامت ہے۔ جس ملک کو انھوں نے آزاد کرایا، اس کی پارلیمنٹ میں دولت کے لٹیرے اور زر وجواہر کے دیوانے عوام کے نمائندے بن کر جا بیٹھے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ ایک ایک امیدوار اس راج گدی کو پانے کے لئے لاکھوں نہیں کروڑوں روپے خرچ کرتا ہے اور کھلے عام قارون کی طرح اپنے زر و جواہر سے عوام کے ضمیر کو خریدنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے۔ اسی ملک کی آزادی کے بعد جن لوگوں نے زمام سنبھالی تھی یعنی خود پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا تھا—"میں بے تکلفی سے اعتراف کرتا ہوں کہ میں ایک سوشلسٹ ہوں اور جمہوریت پسند ہوں۔ میں راجاؤں اور راج کماروں میں یا اس نظام میں جو جدید دور کے سرمایہ دار اور انڈسٹریز کے راجاؤں جیسا جلال رکھنے والے مالکین پیدا کرتا ہے یقین نہیں رکھتا۔ یہ سرمایہ دار انسانوں کے مقدرات اور احوال پر ماضی کے راجاؤں، شہنشاہوں سے زیادہ اقتدار واثر رکھتے ہیں اور ان کے ہتھکنڈے اسی طرح سے لوٹ کھسوٹ کا عنوان بنتے ہیں جیسے کہ ماضی میں جاگیر دار اشرافیہ اختیار کرتے تھے۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ شاید ممکن نہیں کہ کانگریس سوشلسٹ پروگرام کو مکمل طور پر اختیار کر سکے لیکن ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ اس وقت دنیا کے مختلف حصوں میں دھیرے دھیرے معاشرے کا پورا ڈھانچہ سوشلسٹ نظریات کے مطابق ڈھل رہا ہے۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ کس رفتار اور ترتیب سے اس کی جانب اقدام کیا جائے۔ ہندوستان اگر اپنی غربت اور عدم مساوات سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنے انداز سے سوشلسٹ نظریات کو اختیار کرنا ہوگا۔ (بحوالہ کرشن ایئر ہندو، ۹ر مارچ ۲۰۰۹ء)

بدقسمتی سے نہرو کا یہ خواب پورا نہ ہوسکا۔ دھیرے دھیرے سوشلزم کا سارا جوش و خروش رخصت ہوتا گیا۔ لوہیا اور جے پرکاش نرائن تک برادران وطن میں ایسے رہنما تھے جو سادہ زندگی اور دولت کی مساوی تقسیم اور کم از کم آمدنی میں زندگی بحسن وخوبی گزارنے اور دولت کے لالچ سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس وقت انسانی وحدت اور مساوات کے تصورات میں زندگی وحرارت موجود تھی۔ رادھا کرشنن جیسے صدر جمہوریہ بھی ہوتے تھے جو اپنی ہر تقریر میں مذہبی وروحانی قدروں کی فضیلت کا پیغام دیتے تھے۔ ان لوگوں کو احساس تھا کہ انسان دولت کی ہوس، سماج میں اونچ نیچ کی تفریق اور طرح طرح کے ذہنی امراض میں مبتلا ہو کر انسانوں سے نفرت اور اپنی ذات وخاندان و متعلقین کی خوشحالی تک خود کو محدود کرنے کی بیماری کا شکار ہوتا ہے۔ یہ اندازہ نہ تھا کہ ہمارا یہ ملک جو ہزاروں سال قدیم تاریخ وتہذیب کا حامل ہے اس قدر جلد اپنے محور سے ہٹ جائے گا کہ خود کو سوشلسٹ اور سماجوادی کہنے والے کھلے عام دولت کا کھیل کھیلنے لگیں گے۔ اندازہ نہ تھا کہ کمزور طبقات کا خود کو نمائندہ کہنے والے بھی خطرناک سرمایہ دارانہ لین دین ووٹوں کی خاطر شروع کر دیں گے۔ لوگ کانگریس یا بی جے پی سے کیا شکوہ سنج ہوں جب دولت سمیٹنے اور اس کے ذریعے لوگوں کا ضمیر خریدنے میں ملک کی علاقائی پارٹیاں مبتلا نظر آئیں۔ شاید یہ مغربی سرمایہ دارانہ طرز فکر کی بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس نے اخلاق کو قدر اعلیٰ تصور کرنے والے ایشیا کے لوگوں کو خبیث مادہ پرستی کے معاملے میں اپنا غلام بنالیا ہے۔

ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مساوات، وحدت بنی آدم اور انسانی احترام کے علمبردار ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہمارے سارے معاملات میں فیصلہ کن قوت دولت ہے۔ اس کے دیوانے سیاسی رہنما ہوں یا مذہبی پیشوا سب ہو چکے ہیں۔ سارے جمہوری دعوے اور مساوات کے نعرے اس وقت دم توڑ دیتے ہیں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس ملک کے اندر دنیا کے ۲۷ فیصد غریب ومفلس عوام پائے جاتے ہیں اور سرمایہ داروں کی تعداد محض چار فیصد ہے اور ملک کی اجتماعی و سیاسی زندگی پر حاوی ہیں۔ امریکہ کے بعد یہ ملک دنیا کے مہنگے ترین انتخابات کے دروازے پر کھڑا ہے اور غریب انسانوں کی روزانہ کی خوراک یعنی آٹا دال چاول، تیل شکر کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ انتخابات پر کروڑوں روپے خرچ کرنے والے امیدواروں سے سوال کیا جائے کہ آخر تم نے کچھ غربت زدہ انسانوں کی بھی خدمت کی ہے تو یہ حیرت سے آپ کی طرف دیکھیں گے کہ اس وقت اس طرح کے ناموزوں سوال کرنے کی ضرورت کیا ہے؟۔ جب سبھی اس حمام میں ننگے ہیں تو آخر ہماری بے لباسی پر حیرت کیوں؟ حکومت تنخواہیں بڑھا کر اور تاجروں وصنعت کاروں کو ہر طرح کی سہولت مہیا تو کر رہی ہے اور گورنروں، ممبران قانون ساز، یونیورسٹیوں اور اسکولوں کے اساتذہ کی جیبیں آپ روپے سے بھر رہے ہیں لیکن اس ملک کے کروڑوں انسانوں کی روزانہ کی غذا سستے داموں مہیا کرنے کی فکر نہیں اس لئے کہ ہمارے سیاستدانوں کو غریبوں کی جھونپڑیوں تک نہیں بلکہ امریکہ و مغربی ممالک کے مستغرین کے معیار زندگی تک رسائی حاصل کرنے کی بے حد فکر ہے۔ سیکولر سوشلسٹ ڈیموکریٹک ری پبلک اس ملک کو بنانے کا خواب چکنا چور ہو چکا ہے۔ بقول وی آر کرشنا ایئر ہمارے مقاصد اب یہ ہیں کہ ہم گلوبلائزیشن، لبرلائزیشن اور پرائیویٹائزیشن کے ذریعے دولت کا انبار لگائیں خواہ ملک کا غریب تحت الثریٰ میں کیوں نہ پہنچ جائے۔ اب ہمارا انحصار اپنی اخلاقی قوت اور انسانی دردمندی پر نہیں امریکہ کے ڈالر پر ہے۔ یعنی خود ہمارے اندر سے مستغرین کا ایک طبقہ پیدا ہو رہا ہے جو ملک کے عوام کو غریب سے غریب تر کرنے پر کمربستہ ہے۔ چنانچہ فائیو اسٹار زندگی گزارنے والے غریب کے جھونپڑوں میں جھانکنے اور ان کو اپنے برابر کھڑا کرنے کے روادار نہیں۔ وہ بڑی آسانی سے دولت اور مافیا پاور کے بل پر انتخابات میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں اور ملک کی باگ ڈور پر بھی قابض ہو جاتے ہیں۔

ہمیں اس پستی تک لے جانے میں کسی اور کا نہیں خود ہمارا اپنا ہاتھ ہے۔ آج ملک کے تعلیمی نظام کو دیکھئے۔ یہاں بھی سرمایہ داروں کی جنگ زرگری جاری ہے۔ اخلاق و اقدار کے شعور کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے۔ ایک نوعمر کی کسی بھی تعلیمی اسٹیج میں اپنے اخلاقی سرمایہ سے ملاقات نہیں ہوتی۔ مغربی آداب اور طرز گفتگو اور طرز بود وباش کا دیوانگی کے ساتھ بچوں کو نقالی کرنے کا ہنر سکھایا جاتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ وہ ٹیکنالوجی کے ذریعے پیسے کمانے کا ہنر سیکھ لیتا ہے مگر اپنے گرد وپیش کے انسانوں کے لئے اجنبی بن کر رہ جاتا ہے۔ کوئی سماج سدھارک یا مذہب کا علمبردار اس کی اخلاقی نشو ونما اور تہذیبی تراش خراش وروحانی نمود کی فکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ انتخابات کے اس موسم میں ہے کوئی جو یہ بھی دیکھے کہ کونسا امیدوار پیسے اور شان وشوکت کے بجائے اخلاق وکردار وسادگی وجفاکشی کی دولت لے کر عوام کے درمیان آیا ہے۔ شاید ایسے اچھے انسانوں کا فقدان نہیں۔ عوام کی نگاہیں انہیں آسانی سے ڈھونڈ سکتی ہیں اور لٹیرے و کرپٹ رہنماؤں سے ممیز کر سکتی ہیں۔

●●

بقیہ: ایرانی گورباچوف وہائٹ ہاؤس کا نیا شوشہ

ہم زمین کی ہزاروں تہوں کو چشم زدن میں غتر بود کر سکتے ہیں۔ اسرائیل اس مشق ستم سے ایران کے NATAZ-II کو تباہ کرنا چاہتا تھا۔ بش نے اسرائیل کو تشفی وتسلی کروائی تھی کہ ایران کے جوہری کارخانوں پر شب خون مارنے کا خفیہ پروگرام جاری ہے۔ امریکہ ایک طرف ایران کے ساتھ دوستی و مذاکرات کے سپنے دکھاتا ہے مگر دوسری طرف ایران کو عدم استحکام سے دوچار کرنے اور حکومت کی تبدیلی کے لئے اربوں ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ ان حالات میں اعتماد، معانقہ اور مصافحہ کیسے ممکن ہے۔ نیویارک ٹائمز کے ایڈیٹر راجر کوہن کہتے ہیں کہ امریکہ ایران میں گورباچوف جیسی شخصیت کو پروموٹ کرنے کے چکروں میں ہے۔ وہ چاہے خاتمی ہوں یا رفسنجانی مگر ایران گورباچوفوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

سوویت یونین کی شیرازہ بندی کے لئے امریکہ نے تخت ماسکو پر گورباچوف کی سہرا بندی کروائی۔ امریکہ نے گورباچوف پر اصلاحی پسندی کی چھاپ لگوائی اور پھر گورباچوف کے ذریعے سوویت یونین کو ٹکڑے ٹکڑے کروا دیا۔ مسٹر کوہن کہتے ہیں کہ امریکی تہران میں گورباچوف کو لانے کا منصوبہ تراشے ہوئے ہیں جو اقتدار کا حصہ بن کر انقلاب کو فروخت کر دے گا۔ کوہن بارک اوبامہ کو تنقیدی انداز میں مشورہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ روحانی لیڈر آیت اللہ خامنہ ای کو اس فلسفے پر قائل کریں۔ Price of Engagement is not Extinction یعنی ایران یا تو اپنے وجود سے دستبردار ہو جائے یا پھر امریکہ کا پٹھو بننا قبول کرلے۔ امریکہ نے بیس ملین ڈالر کے خرچ سے ایرانی حکومت کے خلاف مظاہرے کروانے پر خرچ کر ڈالے۔ کوہن نے رائے زنی کی کہ امریکی الیکشن کے بعد ایران کے صدارتی الیکشن دنیا کے لئے اہم ترین ہوں گے۔ گزشتہ چار برسوں میں احمدی نژاد نے اپنی فراست، جرأت اور جنون بادہ پیمائی سے ایران کے قد وکاٹھی میں اضافہ کیا ہے۔ قوم پرستی کا جنون پوری ایرانی قوم کے خون میں دوڑ رہا ہے ایرانی قوم نے محمود احمدی نژاد کی قیادت میں اپنی حمیت وغیرت اور خود مختاری کا تحفظ کیا ہے وہ تاریخ کا روشن باب ہے۔ ایران کے لئے محمود احمدی نژاد ایسا باتدبیر لیڈر لازم ہے۔ پوری قوم کو صہیونیوں کے بچھائے جال سے پھونک پھونک کر بچنا ہوگا۔

●●

ترک صدر عبداللہ گل عراق کے تاریخی دورے پر

استنبول۔ ترکی کے صدر عبداللہ گل گزشتہ اتوار (۲۳ر مارچ ۲۰۰۹ء) کو عراق کے تاریخی دورے پر بغداد پہنچے۔ واضح رہے کہ یہ کسی بھی ترک صدر کا پہلا دورۂ عراق ہے۔ ترک صدر اس دورے میں عراقی وزیر اعظم نوری المالکی اور صدر جلال طالبانی سے ملاقاتیں کریں گے۔ ان ملاقاتوں میں کرد باغیوں کا مسئلہ زیر غور آئے گا۔ یاد رہے کہ شمالی عراق میں کرد باغی ایک آزاد ریاست کے لئے مسلح جدوجہد کر رہے ہیں اور وہ اس میں ترکی کے کرد علاقوں کو بھی شامل کرتے ہیں۔ ترک حکومت اس حوالے سے فوجی کارروائی بھی کرتی رہی ہے۔ یورپی یونین نے کردستان ورکرز پارٹی کو دہشت گرد تنظیموں میں شامل کر رکھا ہے۔

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرائین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۰۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر "دعوت" ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی، عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

ضرورت رشتہ

شیخ صدیقی، پرکشش شخصیت کے مالک ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ (بی ایس سی۔ ایل ایل بی)، معقول آمدنی کے حامل شخص کو جس کی اہلیہ کا تین سال قبل انتقال ہو چکا ہے (چار بیٹے عمدہ تربیت اور فرمانبردارانہ کردار کے مالک عمر ۱۲ تا ۱۷ سال۔ زیر تعلیم) کے واسطے خوبصورت، دیندار، تعلیم یافتہ، امور خانہ داری میں ماہر، خوش مزاج، باہمی مفاہمت کے ساتھ مثالی زندگی گزارنے پر آمادہ ۳۵ تا ۴۰ سالہ خاتون سے رشتہ مطلوب ہے۔ مغربی اتر پردیش کی ساکنین کو ترجیح۔ بیوہ ومطلقہ بھی رجوع کر سکتی ہیں۔

برائے رابطہ فون نمبر: 09639440783
e-mail: asifrmp@gmail.com

ضرورت رشتہ

سنی، سید، خلع شدہ مرد مجرد عمر تقریباً ۴۵ سال، قد تقریباً چھ فٹ، تعلیم ایم اے اردو۔ انگلش، ہندی ذریعہ معاش ٹیوشن۔ آمدنی بقدر گزر کے لئے ایسی خاتون سے رشتہ مطلوب ہے جو اپنا ذاتی مکان رکھتی ہو جس میں کوئی مناسب کام شروع کیا جاسکے۔

بکس نمبر 2839، معرفت سہ روزہ دعوت، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

میلاد النبی کے مبارک موقع پر

سنہری موقع — خصوصی اسکیم

برادرانِ وطن کو سیرتؐ پر کتابوں کا تحفہ پیش کریں

	نام کتاب	نام مصنف	ڈیلکس ایڈیشن	دعوتی ایڈیشن
☆	پیارے نبیؐ کی پاک زندگی (اردو، ہندی)	اعجاز الحق قدوسی	25.00	....
☆	प्यारे नबी (सल्ल.) की पाक ज़िन्दगी (हिन्दी)	اعجاز الحق قدوسی	35.00	7.00 net
☆	محمدؐ اسلام کے پیغمبر (ہندی، انگریزی) मुहम्मद (स.) इस्लाम के पैग़म्बर	پروفیسر راما کرشنا راؤ	15.00	4.00 net
☆	Muhammad: Prophet of Islam	Prof. K. S. Rama Rao	15.00	4.00 net
☆	مانوتا کا آدرش (ہندی) मानवता का आदर्श	ثناء اللہ	3.00	....
☆	مانوتا اپکارک حضرت محمدؐ (ہندی) मानवता उपकारक हज़रत मुहम्मद (सल्ल.)	امام الدین رام نگری	12.00	....
☆	حضرت محمدؐ سب کے لیے (ہندی) हज़रत मुहम्मद (सल्ल.) सबके लिए	ڈاکٹر محمد احمد	40.00	....
☆	مثالی رہنما حضرت محمدؐ (ہندی) मिसाली रहनुमा हज़रत मुहम्मद (स.)	عنایت اللہ سبحانی	10.00	....
☆	میلاد النبی (ہندی) मीलादुन्नबी	سید ابوالاعلیٰ مودودی	3.00	....
☆	حضرت محمدؐ آدرش وشو نایک (ہندی) हज़रत मुहम्मद (सल्ल.) आदर्श विश्व नायक	سید حامد علی	12.00	....
☆	آخری پیغمبرؐ (ہندی) आख़िरी पैग़म्बर (सल्ल.)	سید محمد اقبال	5.00	....
☆	حضرت محمدؐ اور ہندوستانی مذہبی کتابیں (اردو، ہندی، انگریزی)	ڈاکٹر ایم اے شریواستو	15.00	....
☆	हज़रत मुहम्मद (सल्ल.) और भारतीय धर्म ग्रन्थ (हिन्दी)	ڈاکٹر ایم اے شریواستو	15.00	4.00 net
☆	Hazrat Muhammad & Bhartiya Dharma Grantha	ڈاکٹر ایم اے شریواستو	20.00	....
☆	حضرت محمدؐ ہی کیوں؟ (ہندی) हज़रत मुहम्मद (स.) ही क्यों?	مولانا سید سلمان ندوی	75.00	....
☆	حضرت محمدؐ کھنڈ کاویہ (ہندی) हज़रत मुहम्मद (स.) खंडकाव्य	ڈاکٹر رام پرساد مشرا	50.00	....
☆	مہا کاویہ: حضرت محمدؐ (ہندی) महाकाव्य : हज़रत मुहम्मद (स.)	شگن چند مکلیش	75.00	....

نوٹ: دعوتی ایڈیشن کا آرڈر 100 کاپی سے کم کی تعداد میں ارسال نہ کیا جاسکے گا۔ ڈاک یا ٹرانسپورٹ خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

مدھر سندیش سنگم

E-20، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025
فون نمبر: 011-26953327, 09212567559
ای میل: madhursandeshsangam@yahoo.co.in

جامعة الصفّة ورنگل

دعوت دین واقامت دین کے لئے ایک تعلیمی تحریک

الحمدللہ! جامعۃ الصفہ ورنگل اپنا پانچواں تعلیمی سال مکمل کر کے چھٹے سال کا سفر طے کر رہا ہے اور اپنے طے کردہ مقاصد کے تحت پیش قدمی کر رہا ہے۔ پانچ سال کی مختصر سی مدت میں بفضلہ تعالیٰ گزشتہ دو سالوں میں ۱۰ طلبہ نے حفظ کی تکمیل کی ہے اور امسال اللہ کے فضل وکرم سے مزید ۱۲ طلباء حفظ قرآن کی تکمیل کر چکے ہیں۔

جامعہ کا شعبہ عالمیت

جامعہ کے شعبہ عالمیت میں عربی اول تا چہارم جماعتیں قائم ہیں جس میں تشنگان علم وخادمان دین اپنے علم کی پیاس بجھا رہے ہیں تاکہ وہ معاشرہ میں منصبی کردار ادا کر سکیں۔ جامعہ میں تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ طلباء کی کردار سازی اور اسلامی فکر کی پختگی پر خاص توجہ کی جاتی ہے۔ جامعہ میں اس وقت ۱۲۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور تقریباً سارے ہی طلبہ دار الاقامہ میں مقیم ہیں ان کی تعلیم، رہائش وطعام کے اخراجات اہل خیر حضرات کے تعاون وسرپرستی سے مکمل کئے جاتے ہیں (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) الحمدللہ! طلباء کو تلگو وانگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے تاکہ وہ برادران وطن میں دعوت دین کا کام انجام دیا جاسکے۔

شعبہ تدریب ائمہ

جامعۃ الصفہ ورنگل میں اس سال تدریب ائمہ کا دو سالہ کورس شروع کیا جارہا ہے جس میں ایسے طلباء کو داخلہ دیا جائے گا جو کم از کم آٹھویں جماعت کامیاب ہوں نیز جو اردو یا تلگو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں اور بالخصوص دیہات کے رہنے والے ہوں۔ ان طلباء کو دوران تعلیم ماہانہ فی کس ایک ہزار روپے تعلیمی وظیفہ دیا جائے گا تاکہ طلباء اور اولیاء طلباء کو یکسوئی ہو اور طلباء دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں اور ان طلباء کے قیام وطعام کی ذمہ داری جامعہ پر ہوگی۔ ہر طالب علم پر ماہانہ ڈھائی ہزار روپیوں کا خرچ ہوگا (Rs.2,500/-) ادارہ اس سال ۲۰ طلباء کو تدریب ائمہ کے لئے داخلہ کا منصوبہ بنایا ہے۔ تدریب ائمہ کے دو سالہ کورس کے دوران ان منتخب طلباء کو امامت اور خطابت کے اصول قرآن، حدیث وفقہ کے علم اور حالات حاضرہ کے تقاضوں سے واقف کروایا جائے گا۔ اس دو سالہ کورس کی تکمیل کے بعد دیہاتوں میں ان طلباء کی خدمات سے استفادہ کیا جائے گا۔

محترم بھائی! آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ قادیانیت اور عیسائیت کے مبلغین مختلف طریقوں سے دیہات کے بھولے بھالے مسلمان بھائیوں کو مالی رغبت دلا کر مرتد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور گاہے گاہے انہیں کامیابی بھی حاصل ہو رہی ہے جب کہ شہروں میں رہنے والے مسلمان، صاحب ثروت اور اہل علم حضرات اس جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دے پا رہے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ دونوں فتنے امت مسلمہ کے لئے ایک بڑا مسئلہ بنے ہوئے ہیں مسلمانوں کو جہاں مختلف پہلوؤں سے کام انجام دینا ہے وہیں مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ بالخصوص ائمہ مساجد کو بھی تیار کرنا ہے جو دینی تڑپ رکھتے ہوں اور شہروں سے دور دیہاتی پس منظر میں کام کے لئے آمادہ ہوں۔ جامعۃ الصفہ نے ایک طویل مدتی منصوبہ کے تحت اس اہم کام کو انجام دینے کا بیڑہ اٹھایا ہے جس کے لئے خطیر رقم کی ضرورت ہے اس خصوص میں اہل خیر اور دین کا درد رکھنے والے احباب آگے آئیں اور ان طلباء کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالیں۔ جامعۃ الصفہ اس اہم پراجکٹ کو اللہ کے فضل وکرم اور خیر خواہان دین وملت کے تعاون سے انجام دے گا۔ انشاء اللہ۔

تعاون کی شکلیں ☆ طلباء کی کفالت: تدریب ائمہ کے لئے فی طالب علم سالانہ -/30,000 روپے شعبہ حفظ کے لئے سالانہ -/10,000 روپے فی طالب علم ☆ شعبہ عالمیت کے لئے سالانہ -/12,000 فی طالب علم (مدت پانچ سال) ☆ اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں ماہانہ =/48,000 روپے ☆ تعمیری کام اور قرضوں کی ادائیگی کیلئے۔ **نوٹ:** جامعہ اپنے خیر خواہوں کو ابھی تک بارہ لاکھ روپے قرض واجب الادا ہے اس خصوص میں تعاون کی درخواست ہے۔

ناظم جامعہ	JAMIA-TUS-SUFFAH	سرپرست جامعہ
محمد خواجہ عارف الدین	Deshaipet Road, Warangal, A.P. India	حضرت مولانا سید جلال الدین عمری مدظلہ، امیر جماعت اسلامی ہند

Phone: +91-870-2424576, Cell: +91-9849004547 A/c No. 444351498 Indian Bank Mandi Bazar, Warangal A.P. INDIA

زندگی کے عام فقہی مسائل

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اذان، نماز، فجر کی سنتیں، نماز تہجد، نماز وتر کی رکعتیں، نماز میں سر ڈھانپنے، صلوٰۃ التسبیح، عورتوں کی نمازیں، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، مہر، پردہ، برقع، ڈاڑھی، تعویذ گنڈے جیسے ان مسائل پر اطمینان بخش اور ذمہ دارانہ گفتگو جو ایک مسلمان کی زندگی میں آئے دن پیش آتے رہتے ہیں اور ان کے حوالے سے ملت میں باہم اختلاف وانتشار کا ماحول جنم لیتا رہتا ہے۔

یہ کتاب ان مضامین پر مشتمل ہے، جو ماہ نامہ زندگی نو، نئی دہلی میں بعض قارئین کی طرف سے آنے والے سوالات کے جواب کے طور پر تحریر کیے گئے تھے اور اس کے مختلف شماروں میں یہ شائع بھی ہوتے رہے۔

ہر سوال کا جواب مدلل، محقق اور عام فہم۔

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ ● صفحات: ۱۲۸ ● قیمت: Rs.48/-

نوٹ: مکتبے میں اسٹاک چیکنگ کی وجہ سے ۲۱ تا ۳۱ مارچ ۲۰۰۹ء تک آرڈر کی تعمیل نہیں ہوسکے گی۔

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

Post Box. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110 025
Phones: 26971652, 26954341, Fax: 26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com Website: www. mmipublishers.net

قادری دواخانہ کی کامیاب ترین یونانی دوائیں

DIAL
033-2469-3173
033-2489-3539

گٹھیا کے درد میں؟

کسی بھی جسم کے درد، چوٹ موچ، گٹھیا، جلنے کٹنے اور بچوں کی پسلی میں بہت ہی مفید ہے۔

زعفرانی تیل

گیسٹک کے درد میں

قبض ٹروجن

بد ہضمی، بھوک کی کمی، درد جگر، قبض، سینے کی جلن اور پیٹ کے جملہ امراض میں بہت ہی مفید ہے

Qadri Dawakhana
B-18, NAWAB WAJID ALI SHAH ROAD, KOLKATA - 24.
DISTRIBUTORS: DARYA BADI DAWAKHANA 393, E. R. Road, Pydhonie, Mumbai - 400 003 Ph: 022-2341-1957
RELAX ENTERPRISES 3416, Bahishti Wada, No.1, Dhule - 424 001 Ph: 02562-236952